بھگوت گیتا

مترجمہ

محمد اجمل خاں

انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ

هُوَ الْبَجَل

در خرابات مغاں نور خدا می بینم
ایں عجب بیں کہ چہ نورے زکجا می بینم

بھگوت گیتا

یا

نغمۂ خداوندی

مترجمہ

محمد اجمل خاں

انجمن ترقی اردو ہند علی گڈھ

پہلا اڈیشن ۱۹۳۵ء
دوسرا اڈیشن ۱۹۵۹ء

قیمت دو روپے پچاس نئے پیسے

مطبوعہ
سرفراز قومی پریس لکھنؤ

شری کرشن

(از جناب سید الاحرار مولانا حسرت موہانی)

عرفانِ عشق نام ہے میرے مقام کا — حامل ہوں کس کے نغمۂ نے کے پیام کا

متھرا سے اہلِ دل کو وہ آتی ہے بوئے اُنس — دنیائے جاں میں شور ہے جس کے دوام کا

مخلوق اک نگاہِ کرم کی اُمیدوار — مستانہ کر رہی ہے بھجن رادھے شام کا

محبوب کی تلاش ہوئی رہبرِ محب — برسانے سے جو قصد کیا نند گام کا

گوکل کی سرزمیں بھی عزیزِ جہاں بنی — کلمہ پڑھا جو اُن کی محبت کے نام کا

بندرا کا بن بھی روکشِ جنت بنا کہ تھا — پامالِ ناز اُنھیں کی بہارِ خرام کا

لبریزِ نور ہے دلِ حسرت زہے نصیب
اک حسنِ مشک فام کے شوقِ تمام کا

"۔۔۔ جو لوگ صرف میری پرستش مجھے لاشریک مان کر کرتے ہیں اُن متوازن اشخاص کو میں مکمل سلامتی بخشتا ہوں ۔۔۔"

بھگوت گیتا مکالمہ ۹ ۔ شعر ۲۲

"۔۔۔ جملہ مخلوقات میری نظر میں یکساں ہیں میرے لئے نہ کوئی محبوب ہے نہ قابلِ نفرت حقیقت تو یہ ہے کہ جو انسان میری بھگتی کرتے ہیں وہ مجھ میں ہیں اور میں اُن میں ۔۔۔"

بھگوت گیتا مکالمہ ۹ ۔ شعر ۲۹

تقریظ

از قلم حقیقت رقم جناب ڈاکٹر بھگوان داس صاحب ایم اے ڈی لٹ ایم ایل اے

اس کتاب کے مؤلف محمد اجمل خاں صاحب کتاب کو شائع کرنے سے پہلے مع اپنے مکمل مسودہ کے بنارس میرے پاس تشریف لائے۔ انھوں نے اول سے آخر تک تمام مسودہ مجھے سنایا۔ کتاب کے عالمانہ مقدمہ میں اردو داں لوگوں اور خصوصاً غیر ہندو پڑھنے والوں کے مفاد کے لئے ہندو مذہب اور بھگوت گیتا کے فلسفہ پر نہایت مبسوط روشنی ڈالی ہے۔ بھگوت گیتا کے ترجمہ کو بھی میں نے نہایت غور سے شروع سے اخیر تک سنا۔ اس میں کوئی شک نہیں، کہ ترجمہ نہایت قابلیت، جاں فشانی اور صحت کے ساتھ کیا گیا ہے۔

سب سے زبردست خصوصیت اس کتاب کی مجھے یہ محسوس ہوئی کہ اس میں مترجم نے ہندو فلسفہ کی اصطلاحوں کو صوفی فلسفہ کی اصطلاحوں کے ذریعہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور جگہ جگہ کلام مجید، احادیث اور صوفیائے کرام کے اقوال کے حوالے دے کر یہ دکھلایا ہے کہ بنیادی طور پر تمام ہادیان مذاہب، اوتاروں، سنتوں، پیغمبروں، پیروں، رشیوں اور اولیا، اللہ کی تعلیم اور ان کے اصول ایک ہی ہیں۔ مذہبوں کی توحید و تطبیق کو ظاہر کرنے کا یہ طرز مجھے نہایت عزیز ہے۔ اس لئے اس نظریہ سے میں اس کتاب کا اور بھی زیادہ مسرت اور صدق دلی کے ساتھ خیر مقدم کرتا ہوں اگر اس ایک حقیقت کو ہم پوری طرح سمجھ لیں کہ سب مذہب ایک ہی اللہ

سے ہیں۔ سب کے بنیادی اُصول ایک ہیں۔ اور نیرنگی صرف بیرونی
چیزوں مثلاً کرم کانڈ شرع و منہاج میں ہے۔ یہاں تک کہ ہندو رشیوں
اور گیانیوں اور مسلمان اولیا اور صوفیوں کے روحانی سچائیوں کو بالکل
ہم معنی الفاظ میں ظاہر کیا ہے تو ہماری آپس کی غلط فہمیاں اور تنازعے
نہایت آسانی سے دُور ہو جائیں۔

میری دلی خواہش ہے کہ ہر اردو داں ہندو اور ہر پڑھا لکھا مسلمان اس
کتاب کو غور سے پڑھے، تاکہ مؤلف کی قابل تحسین کوشش اس ملک کے
ہندو اور مسلمانوں کے دلوں اور دماغوں کو ایک دوسرے کے زیادہ نزدیک
لانے میں کامیاب ہو سکے۔ یہی مؤلف کی محنت کا سب سے زبردست صلہ
ہوگا۔

بھگوان داس
چنار ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۴ء

تبصرہ

(از ڈاکٹر تارا چند، ایم اے، ڈی فل)

بھگوت گیتا، انجیل مقدس اور قرآن شریف مذہب کی تاریخ میں جو اہمیت رکھتے ہیں وہ بیان کی محتاج نہیں۔ ان میں سے ہر کتاب اپنے طرز میں یکتا اور فرد ہے۔ لیکن تینوں میں یہ خصوصیت بدرجۂ اتم موجود ہے کہ پڑھنے والے کے قلب اور دماغ پر ایسا گہرا اثر پیدا کرتی ہیں جو آسانی سے مٹ نہیں سکتا، ان کی تعلیم اور ان کے اسلوب بیان میں ایسی شان اور ایسا تحکم ہے کہ جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ تینوں کتابوں میں ظاہرا بہت بڑا اختلاف ہے۔ ہر ایک کی تشکیل جدا ہے، فضا جدا ہے، ذہن پر اثر ڈالنے کا طریقہ جدا ہے۔ قرآن شریف کا ولولہ خیز، پرجوش اور آتشیں کلام دل میں حرکت اور خون میں گرمی بڑھاتا ہے۔ بھولے ہوئے مجہول اور سرکش انسان کو بیدار کرتا ہے اور اسے فرض اولیں سے آگاہ کرتا ہے۔ انجیل مقدس کی عہد عتیق کی داستانیں اور روائتیں جو آشنا اور نزدیک معلوم ہوتی ہیں عہد جدید کی دل میں گھر کرنے والی سیدھی سادی باتیں اور ایک درد اور محبت سے بھرے دل کی تین سال کی مختصر سوانح زندگی ہمیں ہیجان اور حیرت میں ڈال دیتی ہیں اور زور سے بنی نوع انسان کی محبت اور خدا کی خدمت کی جانب مائل کرتی ہیں۔

بھگوت گیتا کے مکالمے عقل اور نفس کی دائمی کش مکش کا آئینہ ہیں۔

لیکن عقل ایسی ہے جو یقین کے مستحکم اور اٹل مقام پر پہونچ چکی ہے، اور جس کی مجبور کرنے والی منطق میں سکون اور نرمی ہے۔ اس کا تصور جلال شاندار اور پرشکوہ ہے۔ اس کا تخیل جمال دل کش اور دل ربا ہے۔ کبھی عقل وہ دوست حبیب و لبیب ہے جو دل میں راہ کر لیتا ہے۔ کبھی وہ پیر مرشد ہے جس کی نگاہ بحر عرفان کی تمام گہرائیوں میں غوطہ لگا چکی ہے کبھی وہ رہبر کامل ہے جو دنیا اور مافیہا کی ہر منزل سے واقف ہے۔ غرض بھگوت گیتا ایک نغمہ ہے جس کی علم و عمل اور عشق کے سُروں سے تشکیل ہوئی ہے۔ اس نغمہ کی صدا ہزاروں برس سے سرزمین ہندوستان میں گونج رہی ہے اور ہندوستانیوں کے دلوں کو تسخیر کرتی رہی ہے۔

اسی طرح قرآن شریف کی تعلیم بھی وہ روح پرور نغمہ ہے جس کی دھن اسلامی فلسفہ اور تصوف میں سُنائی دیتی ہے۔ جہاں جہاں اسلام کا ظہور ہوا ہے اس نغمہ کے الاپنے والوں نے اپنے خوش آئند راگوں سے فضا کو بھر دیا ہے۔ ہندوستانی اور اسلامی تہذیب کے ساز جدا ہیں۔ مگر جاننے پہچاننے والوں کے کان بتاتے ہیں کہ دونوں سے نغمہ ایک ہی نکلتا ہے۔ مولوی محمد اجمل خاں کی کتاب کی اصل خوبی یہی ہے کہ انھوں نے ان سازوں سے نکلے ہوئے ترانوں کا مقابلہ کر کے دکھایا ہے کہ :-

در حیرتم کہ دشمنی کفر و دیں چرا است
از یک چراغ کعبہ و بتخانہ روشن است

کتاب کے دو حصّے ہیں۔ پہلے حصّہ میں ایک بسیط مقدمہ ہے جس میں ہندوستان کے پرانے زمانہ کی مختصر تاریخ ہے اور ہندوؤں کے مذہبی مسلکوں پر بحث ہے۔ سری کرشن جی کی زندگی پر نظر ڈالی ہے اور اُن کے متعلق چند

مسلمان صوفیوں اور اہل قلم کی رائے دی ہے۔ اس کے بعد بھگوت گتا کی تعلیم پر فلسفیانہ بحث ہے۔ راقم کتاب کے خیال کے بموجب بھگوت گیتا ایک پیغام عمل ہے۔ وہ سکھاتی ہے کہ انسان کو نتائج کی پرواہ نہ کرکے فرائض کو انجام دینا چاہیئے۔ عمل میں خودی کا دخل غیر واجب ہے۔ اعمال اور فرائض میں جنگ کرنا شامل ہے، ضرورت آنے پر دھرم کی خاطر فتح و شکست کی پرواہ نہ کرکے ایثار اور بے نفسی کے ساتھ میدان کارزار میں حصہ لینا جائز ولازم ہے۔

دوسرے حصہ میں ترجمہ ہے، ترجمہ نثر میں ہے۔ زبان صاف اور سادہ ہے۔ ترجمہ کے ساتھ اکثر مقامات پر مولانا روم، حافظ، شبستری عطار وغیرہ مشہور شعراء اور بزرگوں کے کلام کا اقتباس ہے۔ کہیں کہیں قرآن شریف کی آیتوں سے فقرے دے دیئے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ بھگوت گیتا کی تعلیم اور اسلامی تعلیم کی ہم آہنگی واضح ہو جائے۔

ترجمہ کے بارے میں زیادہ لکھنا اس لئے بیکار ہے کہ ڈاکٹر بھگوان داس نے اپنی تقریظ میں صحت کی داد دی ہے۔ کہیں کہیں ترجمہ میں نظر ثانی کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر دوسرے مکالمہ کا تیرھواں شلوک لیجئے۔ صحیح معنی یوں ہوں گے۔ "جسم میں بسنے والے کے لئے جس طرح اس جسم (موجودہ) میں بچپن، جوانی اور بڑھاپا ہے۔ اسی طرح دوسرے جسم کا حصول۔ اس امر سے مستقل مزاج انسان ہراساں نہیں ہوتے۔"

اس مکالمے کے اکتالیسویں شلوک میں بجائے "یہ مذہب عقل منتقل فطرت رکھتا ہے" ہونا چاہیئے "جس عقل میں استقلال ہے اس میں یکسوئی ہے۔"

تیسرے مکالمہ میں ادھیاتم (अध्यातम) کا ترجمہ نفس اعظم ہوا ہے اصل میں اس کا مطلب ذاتِ حق سے ہے[1]۔

اس قسم کی فروگذاشتوں کی جانب محض اس غرض سے توجہ دلائی ہے کہ دوسرے ایڈیشن میں دور ہو جائیں۔ لیکن یہ ایسی نہیں ہیں کہ کتاب کی قدر و قیمت پر کوئی خاص اثر ڈالتی ہوں۔ کتاب واقعی بڑی کد و کاوش کے ساتھ لکھی گئی ہے اور فاضل مترجم نے اس میں ایک خاص نوعیت پیدا کر دی ہے جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ جس رواداری اور صلح کل کے جذبہ کے تابع یہ کتاب تحریر ہوئی اس کی ہمارے ملک کو سخت ضرورت ہے۔ اُمید ہے کہ قوم کی بگڑی ہوئی فضا کو سدھارنے میں یہ کامیاب ثابت ہوگی۔

(از رسالہ ہندستانی جنوری سنہ ۱۹۳۶ء)

---

[1] اس ایڈیشن میں تصحیح کر دی گئی ہے (مترجم)

ھُوَالکُلُ

التماس مترجم

دُنیا کے ادبی شاہکاروں کے مطالعہ کرنے والوں کے لئے بھگوت گیتا کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ گو ترجمہ میں زبان کا حقیقی لطف باقی نہیں رہتا۔ لیکن ان کے لئے جو سوائے ترجمہ کے، اصل کتاب کا سنسکرت میں مطالعہ نہیں کر سکتے، ترجمہ کے علاوہ چارہ نہیں۔ میری عرصۂ دراز سے یہ تمنا تھی کہ بھگوت گیتا کا نہ صرف اُردو ترجمہ پیش کروں۔ بلکہ اس اسلوب سے پیش کروں کہ وہ اصحاب جو ہندی مذہب اور فلسفہ سے ناواقف ہیں وہ بھی اس ترجمہ کو سمجھ لیں اور لطف حاصل کریں، بحمداللہ وہ آرزو آج پوری ہو گئی اور میں فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ترجمہ اور مقدمہ جس صورت میں آپ کے سامنے ہے اُس میں آپ کو شاید ہی کوئی خامی نظر آئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ۔ پہلے تو مکمل کتاب پر جناب پنڈت سُندر لال صاحب نے نظرثانی فرمائی۔ اس کے بعد جناب پنڈت صاحب موصوف کے ہمراہ جناب ڈاکٹر بھگوان داس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اُنھوں نے کمال شفقت و محبت سے ترجمہ کا لفظاً لفظاً اصل سنسکرت سے مقابلہ فرمایا۔ اور اکثر مقامات پر اپنے بے بہا مشوروں سے مستفیض فرمایا۔ اور مقدمہ میں جو نظریات قائم کئے گئے ہیں اُن کو پسند فرمایا۔

ہر ملک کے محققین نے نہ صرف اس بیش بہا کتاب کا ترجمہ کیا ہے بلکہ شرحیں بھی لکھی ہیں۔ اُن میں جینی بھی ہیں، بدھ بھی۔ ہندو بھی ہیں اور

مسیحی بھی۔ اور ہندوؤں میں ایسے اشخاص بھی ہیں جو اگرچہ آپس میں شدید اختلاف عقائد رکھتے ہیں۔ لیکن گیتا کی تعریف میں سب یک زبان ہیں

ہندوستان میں مسلمانوں کی سلطنت کے زوال کے بعد مسلمانوں میں وہ ذوق علمی باقی نہ رہا۔ جس نے انھیں دوسری قوموں کے علوم و فنون کی طرف بے تعصبی اور فراخ دلی سے مائل کر دیا تھا۔ دولت عباسیہ کے زمانہ میں یونانی ولاطینی علوم و معارف میں نئی زندگی پیدا کرنے والے مسلمان ہی تھے۔ حتیٰ کہ ارسطو وافلاطون، دیوجانس کلبی و فیثاغورث وغیرہ کے اقوال اتنے ہی مستند سمجھے جاتے تھے۔ جتنے کسی مسلمان بزرگ یا فلسفی کے۔

اگر آپ کتاب البیان والتبیین (صفحہ ۴۰) طبقات الاطبا جلد دوم (صفحہ ۴۲ و ۲۳) کتاب الفہرست (صفحہ ۱۷۱، ۳۰۳، ۳۰۵) تاریخ یعقوبی جلد اول (صفحہ ۱۰۵) اور ابوالفضل کی تحریروں کو دیکھیں۔ تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں نے جس طرح یونانی علوم سے استفادہ کیا۔ اسی طرح سنسکرت کے متعلق بھی کافی تحقیق کی تھی۔ اور ان میں سنسکرت کے ایسے مشہور زمانہ محقق تھے۔ جیسے ابوریحان بیرونی۔ عبدالقادر بدایونی۔ نقیب خاں شیخ سلطان تھانیسری۔ حاجی ابراہیم سرہندی اور فیضی۔ یہ شغف علمی شہنشاہ اکبر کے بعد تک جاری رہا۔ حتیٰ کہ خود شاہزادہ دارا شکوہ نے اپنے مرشد کے حکم سے سنسکرت کی تعلیم حاصل کی اور اپنشدوں کا فارسی میں ترجمہ کر دیا[1] ۔ یہی وجہ تھی کہ ہندو مسلمانوں کا قدیم زمانہ میں کامل تمدنی اتحاد تھا اور مذہبی وجود

---

[1] مقام طمانیت ہو کہ انجمن روابط فرہنگی ہند یعنی انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشنز کی سعی سے دارا شکوہ کی تمام تصنیفات ایران میں شائع ہو رہی ہیں۔ مؤلف کتاب ہذا اس انجمن کے فارسی شعبہ کے سکریٹری ہیں۔

کی بنیاد پر آپس میں کبھی کوئی فساد نہیں ہوا۔ یعنی ہندوستان میں ایک نئے تمدن کی بنیاد مستقل طور پر قائم ہو گئی تھی۔ اور صوفیانِ کرام کی وسیع مشربی نے نہ صرف لوگوں کی عصبیت کو دور کر دیا۔ بلکہ ایسے بزرگ بھی پیدا کر دئے جنھیں ہندو اور مسلمان دونوں محبت و عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور ہمیشہ اُن کا احترام کرتے رہیں گے۔ کبیر، نانک، تلسی داس، رحیم اور نظیر اکبرآبادی کے کلام عوام کی زبانوں ہی پر نہیں ہیں۔ بلکہ وہ دلوں سے اُن کی حقیقت شناسی کی داد دیتے ہیں۔

گیتا کا سب سے پہلا ترجمہ فارسی میں ہوا۔ یہ ترجمہ فیضی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ یہ ترجمہ فیضی کا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کے ناظم مسیح پانی پتی تھے جو کیرانہ ضلع مظفر نگر سے پانی پت آ گئے تھے ترجمہ نظم میں ہے اور بہت زیادہ آزاد ہے۔ یعنی ہر شعر کا ترجمہ نہیں کیا گیا بلکہ پورے باب کے مفہوم کو شستہ فارسی میں نظم کیا گیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ نہیں ہے۔ بلکہ خود شاعر کی تصنیف ہے۔ لیکن اس میں یہ بات پیدا ہو گئی ہے کہ کہیں کہیں اصل مضامین ادا نہیں ہو سکے۔ یہ ترجمہ چھپ گیا ہے اور اسٹینڈرڈ پریس الہ آباد سے مل سکتا ہے۔ اس کے بعد موجودہ زمانہ میں ہندوستان کی مختلف زبانوں میں اس کے متعدد ترجمے ہوئے اور یورپ کی مختلف زبانوں میں بھی ترجمے ہوئے۔ اس ترجمے سے میری غرض صرف اتنی ہے کہ جو اُردو داں حضرات (بالخصوص مسلمان، دوسری اقوام کے علمی جواہرات کی قدر کرنا جانتے ہیں وہ ضرور بھگوت گیتا کے مطالعہ کے لئے بے قرار ہوں گے۔ اور انھیں اس ترجمہ کے ذریعہ سے وہ چیز مل جائے گی جس نے صدیوں سے لاکھوں بندگانِ خدا کو سکونِ قلب اور اطمینانِ کامل

بخشا ہے۔

خوش قسمتی سے ترجمہ کرنے کے بعد میرے کرم فرما پنڈت سندر لال صاحب نے نہ صرف میرے ترجمہ پر نظر ثانی فرمائی بلکہ مجھے یہ مشورہ بھی دیا کہ ہندوستان کے سب سے بڑے ماہر زبان سنسکرت اور عارف مذہب و فلسفۂ ہنود یعنی جناب ڈاکٹر بھگوان داس بھی اس ترجمہ اور مقدمہ کو دیکھ لیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔ لہذا ڈاکٹر صاحب نے نہایت فراخ دلی سے اپنا قیمتی وقت اس کتاب پر نظر ثانی فرمانے کے لئے صرف فرمایا اور میری غلطیوں ہی کی اصلاح پر اکتفا نہیں کی بلکہ مقدمۂ گیتا میں جو رائیں میں نے ظاہر کی ہیں اُن سب سے اتفاق فرمایا۔ میں ان حضرات کا تہ دل سے شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ اور یہ بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ گو پنڈت سُندر لال صاحب کو میرے نظریہ "ہلسا" سے اتفاق نہیں ہے۔ لیکن غالباً وہ اس امر کو تسلیم فرمائیں گے کہ بھگوت گیتا کی تعلیم "محبت آمیز تشدد" کی تعلیم ہے۔ اور یہ کتاب شاید اس لئے تصنیف کی گئی تھی کہ قدیم ہندوؤں میں فلسفۂ بے عملی جاگزیں ہو گیا تھا اور ملک کی عملی زندگی کی طرف لانے کے لئے "گیتا" کی سخت ضرورت تھی۔

آخر میں یہ عرض ہے کہ اگر میری اس ناچیز کوشش نے مختلف اقوام کو ایک دوسرے کے مذہبی اصولوں کے سمجھنے اور رواداری و حسن معاشرت پھیلانے میں کچھ بھی مدد دی تو میں سمجھوں گا کہ مجھے اپنی حقیر خدمت کا معاوضہ مل گیا۔

محمد اجمل خاں

مقدمہ "بھگوت گیتا"



" فقیر بے اندوہ دارا شکوہ ازیں گنج معرفت (یعنی اپنشد) بہرہ ور از ہستیِ موہوم خلاص گشتہ بہ ہستیِ حق رسید۔ رستگار جاوید گردید"

(شہزادہ دارا شکوہ)

" اپنشدوں سے زیادہ مفید اور روح پرور مطالعہ تمام دنیا میں نہیں مل سکتا، یہی میرا مقصدِ حیات ہے اور یہی تسکین ممات "

(شوپنہار)

" یہ ناممکن ہے کہ۔ ویدانت اور اس کی مختلف تفسیروں کا مطالعہ کیا جائے اور یہ نہ باور کیا جائے کہ فیثاغورث اور افلاطون نے اپنے رفیع نظریات اسی سرچشمہ سے حاصل کئے ہیں جہاں سے ان متصوفین نے جرعہ کشی کی ہے "
(سر ولیم جونز)

" جب ہم مشرق کے فلسفیانہ اور شاعرانہ شاہکاروں کو دیکھتے ہیں۔ خصوصاً اُن ہندوستانی شاہکاروں کو جواب یورپ میں رواج پا رہے ہیں۔ تو ہم اُن میں صداقتوں کا خزانہ پاتے ہیں۔ ایسا شاندار خزانہ جن کا مقابلہ اگر اُن پست نتائج سے کیا جائے۔ جن پر مغربی دماغوں کو ناز ہے تو ہمیں مجبوراً مشرقی فلسفہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنا پڑتا ہے اور ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ نسل انسان کا یہ گہوارہ بلند ترین فلسفہ

کا وطن ہے ۔" (وکرڈ کرزن)

"مغرب کا بلند ترین فلسفہ ۔ اور عقلی تخیل جس کی ترویج یونانی حکما نے کی ہے مشرقی فلسفہ کی روشنی اور باجبروت آفتاب نصف النہار کی عظمت کے سامنے ایسی حیثیت رکھتا ہے جیسے جھلملاتا ہوا چراغ جو ہر لحظہ گل ہونے کے لئے تیار ہو۔ ہندو فلسفہ انسان کی یزدانی تخلیق کو مسلسل پیش نظر رکھتا ہے تاکہ انسان وصال الہیٰ کو اپنے اعمال و افعال کا مقصد اولین بنا لے ۔" (فریڈرک شلیگل)

"ہندوؤں میں علم و ادب اس درجہ پر تھا۔ کہ آج بھی اُن کی تصانیف یادگار زمانہ ہیں۔ اور فلسفہ میں تو اُن کا مثل ہی نہیں بلکہ اس وقت دو ہزار سال بعد۔ جرمنی کا ایک مشہور طریقہ جس کا بانی شوپنہار ہے۔ ہندوؤں کی اپنشد اور ویدانت سے ماخوذ ہے ۔" (سید علی بلگرامی)

"یہ کہنا مشکل ہے کہ فلسفہ مذہب سکھاتا ہے یا مذہب فلسفہ لیکن ہندوؤں میں یہ دونوں ناقابل تفریق ہیں۔ اور ہم بھی دونوں کو کبھی علیحدہ نہ کرتے۔ اگر انسان کا خوف۔ خدا اور صداقت کے خوف پر غالب نہ آتا ۔" (میکس مُلر)

مہابھارت

ا۔ تمہید

مورخ کے نقطہ نگاہ سے تاریخ واقعات کا تذکرہ ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ ایک مجموعہ ہے چند نتائج و قیاسات کا جو واقعات کی اصلی صورت پیش کرنے کی بجائے مصنف کی نفسیاتی کیفیات پر زیادہ روشنی ڈالتا ہے بخلاف اس کے افسانہ وہ افسانہ جسے عوام کی نظر میں واقعیت سے کچھ واسطہ نہیں ایک نگاہ حقیقت بیں کے سامنے حقیقی تاریخ کا مرقع ہے۔ افسانہ انسان کے جذبات و محسوسات کی تاریخ کو کہتے ہیں۔ افسانہ نام ہے انسان کے کسی شعبۂ زندگی کے صحیح نفسیاتی نقشہ کا جس کو حقیقت سے اتنا ہی قرب ہوتا ہے۔ جتنا تاریخ کو عالم حقیقت سے تاریخیں لکھی گئیں اور لکھی جائیں گی لیکن حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لئے تاریخی انسان آپ کے سامنے آئیں گے لیکن انسانیت سے خالی اور مورخ کی ذاتی غرض کے شکار۔ جیسے خشک اور کرخت منطق ہڈیوں کے ایک ٹھریاں کا لبد میں پیش کرے گی لیکن افسانہ نگار فرضی واقعات کی ایسی تصویر کھینچتا ہے جو مجازاً افسانہ کو حقیقت تاریخ کا حریف ہی نہیں بلکہ عواطف و امیال انسانی کا ایک رنگین مرقع بنا دیتا ہے۔

یہ ہے ہمارا نظریۂ تاریخ۔ اور اسی بنا پر ہم اس تعمیر رزم یعنی مہابھارت کی تعریف کرتے ہیں۔ جو مورخوں کی کوتہ بیں نظر میں خواہ کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہو۔ لیکن انسانی نقطۂ نگاہ سے وہ قلعہ ہے مستحکم۔ اور وہ سرمایہ ہے اُن واقعات کا

جو ہمیشہ "آدمی" کو "انسان" بنانے میں معین و یاور ہوں گے۔ غرضکہ ہمیں اس سے زیادہ بحث نہیں کہ زرمتائیہ مہا بھارت تاریخ ہے۔ یا افسانوں کا مجموعہ ہم تو اس کتاب کی اُس تقریر آتشیں کی معنی خوبیوں کو جاننا چاہتے ہیں۔ جسے عرف عام میں بھگوت گیتا۔ یا نغمۂ خداوندی کہتے ہیں۔ اور جو ہزاروں سال سے، کروڑوں بندگانِ خدا کو درس عمل بھی دے رہی ہے اور پیغام حیات بھی۔ جو صوفی کے لئے گنجینۂ عرفان ہے۔ اور فلسفی کے لئے حکمت کا خزانہ۔ جو مورخ کے لئے تاریخ ہے اور ادیب کے لئے افسانہ۔

۲۔ تاریخ قدیم

تاریخ کی دُھندلی روشنی میں آریہ قوم کا ہندوستان میں پھیلنا صاف نظر نہیں آتا۔ قیاسات کی بنا پر ویدوں کا زمانہ حضرت مسیح سے بہت زیادہ پہلے کا مانا جاتا ہے۔ لیکن گو ہندوؤں نے اپنی کوئی تاریخ مدون نہیں کی تاہم ان کا مذہب فلسفہ۔ اور خود اُن کی زبان ایک تاریخ ہے۔ جس میں ہمیں تقریباً ہر وہ چیز مل جاتی ہے جو انسانی زاویۂ نگاہ سے ضروری، دلچسپ اور مفید ہے۔ رگ وید کے بھجن بطور خود ایک تاریخ ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آریہ نسل کی زبان کا ماخذ ایک ہی تھا اور جو اقوام وسط ایشیا سے یورپ اور ایشیا میں پھیلیں۔ اُن کی زبان رسم و رواج اور طرز عبادت ایک ہی تھی۔ مثلاً ہندوستان میں داخلہ کے وقت آریہ قوم سورج کی عبادت کرتی تھی۔ اسے سنسکرت میں سوریہ اور فارسی میں خورشید کہتے ہیں۔ خورشید کی چھوٹی بہن بھی سرد ملکوں میں دیوی بننے کی مستحق تھی، اور اسی بنا پر ایران میں آتش اور ہندوستان میں اگنی (لاطینی اگنس IGNIS) کی پوجا ہوتی تھی۔ محققین کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ رگ وید میں جو سب سے بڑا دیوتا

وَرُن بے اُسے "اوستا" میں آشا وِخاد (اہرمزد) کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اور دونوں کے معنی ہیں "منبع قانونِ الٰہی"۔

قدیم آریوں کو ہمیشہ جنگ و جدل سے سابقہ رہتا تھا۔ اس لئے "اندر" جو جنگ کا دیوتا تھا سب سے بڑا خیال کیا جاتا تھا۔ ہندوستان کے میدانوں کو گرمی کی سخت تپش کے بعد بارش کی ضرورت ہوتی ہے اور اندر دیوتا ہی بارش کا بھی دیوتا تھا۔ اسی لئے ہندوستان کے گرم ملک میں اگنی اور سوریہ (فارسی خور۔ خورشید۔ اور عربی حار اور حرارت) جسے سنسکرت میں وشنو اور پشن بھی کہتے ہیں) کو دوسرا اور تیسرا درجہ دیا گیا۔ پھر رودرا (رعد) وایو (ہوا) دیاؤس (یعنی آسمان۔ لاطینی زیئس Z e u s) اور پرتھوی (زمین) ماروت (طوفان) اُشا (صُبح صادق) بھی دیوتا مانے گئے۔ ویدوں میں جملہ تینتیس دیوتاؤں کا ذکر ہے جن میں سے گیارہ آسمان پر، گیارہ زمین پر اور گیارہ کرۂ ہوا میں باحشمت و جلال رہتے ہیں۔

۳۔ ویدوں کا خُدا

آریہ اپنے دیوتاؤں کی والہانہ پرستش کرتے تھے اور مختلف مظاہر قدرت کو خدا کی مختلف صفات سمجھتے تھے۔ لیکن اُن کے سادہ اور پاکیزہ قلوب میں کائنات کی مختلف قوتوں کی اتنی عظمت و شان سمائی ہوئی تھی کہ ان میں سے جب کسی ایک کی تعریف و پرستش کرتے تھے۔ تو اُسی میں محو ہو جاتے تھے۔ اور غیر کو فراموش کر دیتے تھے۔ بلکہ اُسی کو سب دیوتاؤں سے بزرگ و برتر مان کر پرستش کرتے تھے ایسے بہت سے منتر ویدوں میں ہیں۔ جن میں ہر ایک دیوتا کو واحد مطلق کی طرح بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً اندر کے متعلق ایک اشلوک میں کہا گیا ہے۔ کہ

اسے اندر تیرے مرتبہ کو نہ انسان پہنچ سکتے ہیں نہ دیوتا۔ دوسرے بھجن میں سوم کو آسمان وزمین کا بادشاہ اور سب پر غالب بتایا گیا ہے۔ اسی طرح وَرُن کو کل آسمان اور زمین کا مالک اور سب انسانوں اور دیوتاؤں کا بادشاہ کہا گیا ہے اس سے ہم یہ اندازہ کر سکتے ہیں۔ کہ وہ ایک خدا کی مختلف صفات کی پرستش بھی کرتے تھے۔ اور ایک خدا کا تصور اُن کے ذہن میں موجود تھا۔

۴۔ پرانوں کا زمانہ

زمانہ مابعد پرانوں کا زمانہ کہلاتا ہے۔ پرانوں کی تعداد اٹھارہ ہے اور بعض کا خیال ہے کہ مہابھارت کے زمانہ سے سولھویں صدی عیسوی تک ان کی تصنیف جاری رہی۔ اس زمانہ میں مختلف مظاہر قدرت کی عظمت اُن کے دلوں میں تھی مظاہر قدرت کی اس عظمت اور قوت کو (جو انسانی مذہب کے ارتقاء کا ہر ملک و قوم میں پہلا درجہ ہے) بعض لوگوں نے پرستش کا درجہ دے دیا تھا اس طرح رفتہ رفتہ فلسفیانہ عقائد کی ترقی ہوئی۔ اور خدا اور کائنات کو ایک ہی شے مانا گیا۔

مختلف صفات الٰہی کو ایک مختلف نام کا دیوتا تصور کیا گیا ہے۔ اور اُن کا علٰحدہ علٰحدہ نام بھی ہے۔ مثلاً اندر (خدائے فضا و ہوا) وَرُن (دیوتائے بحر) بَیُن (ہوا) اگنی (آتش) یم (خدائے برزخ و قاضی مردگان) کبیر (خدائے دولت) کارتکیہ (خدائے جنگ) کام (خدائے محبت) سوریہ (خورشید) سوم (چاند) گنیش (خدائے مشکل کشا) اور ان ہی کے ساتھ بہت سے دریا۔ پہاڑ درخت اور جانور بھی عوام کے نزدیک قابل پرستش و تعظیم ہیں۔

۵۔ برہمنوں کا علم الٰہی

برہمنوں کی مخصوص اور موروثی ذات پہلے نہ تھی۔ بلکہ ہر ایک آریہ خود ہی کسان اور سپاہی کا کام کرتا تھا اور خود ہی پجاری بھی تھا۔ حتیٰ کہ گیتا میں بھی موروثی ذاتوں کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن بڑی بڑی قربانیوں کے موقع پر وہ لوگ منتخب کئے جاتے تھے جنھیں وید کے زیادہ بھجن یاد ہوتے تھے اور جو علوم مذہبی اور رسوم قدیمہ سے زیادہ واقف ہوتے تھے۔ اس طرح جو لوگ محض علمی زندگی بسر کرتے تھے اور دنیوی شان وشوکت کو چھوڑکر صرف ہدایت قوم کو اپنا مسلک بناتے تھے۔ اور نفس کشی اور تہذیب اخلاق کرتے تھے وہی برہمن کہلاتے تھے وہ نہ صرف اپنی قوم کے پجاری اور فلسفی تھے بلکہ ادیب وشاعر بھی تھے

جب انھوں نے وید کا گہرا مطالعہ کیا تو انھیں معلوم ہوا کہ سورج۔ چاند زمین، آسمان سب کا پیدا کرنے والا ایک ہی ہے۔ اس تصور نے تین صورتوں میں ظہور پکڑا۔ یعنی برہما (خالق)، وشنو (محافظ) اور شیو فنا کنندۂ کائنات ہے اور ان کی بیویاں سرسوتی، لکشمی اور پاربتی بھی قابل پرستش ہیں۔

۶۔ وشنو کے مختلف اوتار

وشنو کو ایک نیلگوں رنگ کے وجیہ اور سنجیدہ انسان کی طرح ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس کے دس اوتار بتائے جاتے ہیں۔ جو مختلف زمانوں میں ظالموں کو تاراج کرنے۔ اور مخلوقات کو مصیبت سے نجات دینے کے لئے دُنیا میں

آئے تھے۔ انھوں نے کبھی مچھلی کی شکل اختیار کی اور ویدوں کو طوفان نوحؑ سے بچایا۔ کبھی برہمن کی شکل میں آکر ایسے راجہ کو زیر کیا جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا۔ کبھی پرسرام کی شکل میں چھتریوں کا قلع قمع کیا۔ اور کبھی دنیا کو دیوؤں سے پاک کیا۔

مندرجہ بالا اوتاروں سے زیادہ اہم قالب وہ تھا۔ جب رام کی شکل میں وشنو نے اوتار لیا۔ اور دنیا کو ایفائے عہد، فرمانبرداریٔ والدین۔ اطاعت شوہر۔ اور برادرانہ محبت کا سبق دے کر ظالم و غاصب راون کو زیر کیا۔ اس واقعہ کو والمیکی نے اپنی سحر بیانی سے زندہ جاوید کر دیا ہے حتیٰ کہ رامائن کو مذہبی کتاب کا درجہ مل گیا ہے۔ لیکن واقعات شاہد ہیں۔ کہ شاعر نے رزم نامۂ رامائن کو اس وقت مرتب کیا ہے۔ جبکہ اودھ کے کوشل اور شمالی بہار کے ودیہہ قومی حیثیت سے مٹ چکے تھے۔ اور صرف اُس زرّیں زمانہ کی روایات اور افسانے زبان زد خلائق ہو کر رہ گئے تھے۔ اور امتداد زمانہ نے اُس زمانہ کی سچی پاکیزہ اور پُر عظمت روایات کو اور زیادہ خوش نما بنا دیا تھا۔

۷۔ سری کرشن جی

لیکن رام سے بھی زیادہ مشہور اور مقبول اوتار کرشن جی کا ہے متھرا کے شاہی خاندان میں پیدا ہو کر ظالم راجہ کنس کے خوف سے ایک گوالے کے یہاں پرورش پائی۔ اور جوان ہو کر ظالم کنس کو کیفر کردار کو پہنچایا۔ یہ واقعہ فوراً ذہن کو حضرت موسیٰ کی پرورش اور فرعون کے سے گمراہ کی غرقابی کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ اولی الالباب کے لئے عبرت اور مثلاً شارا

حق کے لئے برہان قاطع ہے یہ امر کہ سچے ہادی، مرسل یا اوتاروں کا ہمیشہ سے یہی کام رہا ہے کہ ظالموں کو راہ راست دکھائیں ورنہ ان کو مٹا کر مغلوب اور پست قوموں کو صرف اُس ذات کی غلامی سکھائیں کہ جس کا غلام حقیقی معنوں میں آزاد ہے۔ اور جس کی گردن درِ غیر پہ سر جھکانے کی بجائے۔ سر ہی دے دینا آسان سمجھتی ہے۔

کرشن کنھیا کے بچپن کے متعلق نے نوازی۔ گوپیوں سے شوخیاں اور اسی قسم کی مختلف روایات عجیبہ زبان زد خلائق ہیں۔ جو بادی النظر میں اخلاق سے دور اور ایک اوتار کے شایان شان نہیں معلوم ہوتیں۔ لیکن اُن کی آزاد روش پہ نکتہ چینی سے پہلے یہ غور کر لینا ضروری ہے کہ جس زمانہ کا یہ حال ہے وہ تاریخی زمانہ سے پہلے کا زمانہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کرشن جی کی طفلانہ شوخیوں کا زمانہ وہ تھا۔ جب وہ سنِ بلوغ کو نہ پہنچے تھے۔ اور گوالوں کے بچوں کے ساتھ فطری آزادی سے پورے طور پہ بہرہ اندوز تھے۔ نہ اُن کو بیوں کو متہم کرنا قرین قیاس ہے۔ اور نہ ایسی ہستی کو جو مظہر ذات باری سمجھی جاتی ہو انسانی آلودگیوں سے ملوث کرنا قرین عقل ہے۔ بفرض محال اگر ایسا ہوتا بھی تو کیا ہندو واقعہ نگار ایسے واقعات کو آسانی سے حذف نہ کر سکتے تھے۔ لیکن نقادان یورپ کی کج فہمی کو کیا کیجئے۔ جو ہندوؤں کے ایک بیان کو صحیح سمجھ کر اراکے زنی کرتے ہیں۔ اور دوسرے بیان کو جو قطعاً فطری اور قرین قیاس ہے باور نہیں کرتے۔

کرشن جی کی ولادت کا قصہ حیرت انگیز ہے۔ وہ متھرا کے ظالم راجہ کنس کے بھانجے تھے۔ کنس کی بہن دیوکی تھی، جس کے شوہر کا نام واسودیو) تھا، جوتشیوں نے بتایا تھا کہ ان کی آٹھویں اولاد اُسے قتل کرے گی۔ پہلے تو

کنس نے اپنی بہن اور بہنوئی کو قتل کر ڈالنا چاہا، لیکن جب اُن دونوں نے یقین دلایا کہ ہم اپنی اولاد کو تیرے حوالے کر دیا کریں گے تو وہ اُس کے محل میں قید کر دیے گئے اور متواتر سات لڑکے پیدا ہوتے ہی قتل کر دیے گئے جب آٹھویں بچے کی ولادت ہوئی تو واسودیو نے بچّے کو لے کر جمنا کو عبور کیا۔ جمنا کا پانی پایاب ہو گیا اور حضرت کرشن جی کے پاؤں چھو کر ہٹ گیا واسودیو جمنا پار کے ایک گاؤں گوکل میں اپنے دوست نند کے یہاں پہنچے۔ نند کی بیوی کے اُسی رات ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ اُس نے بخوشی کرشن جی کو لے لیا اور لڑکی واسودیو کو دے دی۔ جسے دیوکی نے صبح کو راجہ کنس کے سامنے پیش کر دیا اور وہ قتل کر دی گئی۔ اب راجہ کنس مطمئن تھا کہ اس کا تخت محفوظ ہے۔

گوکل میں کرشن جی گوالوں کے بچوں میں پرورش پاتے رہے۔ اور اپنی نے نوازی سے بزناو بسیر حتیٰ کہ جانوروں کے دلوں کو لبھاتے رہے۔ وہ بچپن ہی سے صاحب معرفت و حکمت تھے اور لوگوں کو خدا پرستی اور عملِ خیر کی طرف توجہ دلاتے تھے۔ یہ اُس زمانہ میں بال گوپال کے نام سے مشہور تھے۔

۸۔ پشٹی مارگ یا طریق عیش و مسرت

جس طرح یونان میں حصول عیش و مسرت کو معیار اخلاق قرار دیا گیا تھا اُسی کے قریب قریب ہندوستان کے گوسائیوں کا بھی طریقہ ہے اس کے بانی ولبھ اچاریہ (ولادت ۱۴۷۹ء) تھے۔ یہ تلنگی برہمن تھے اور انھوں نے بال گوپال کی پرستش کا طریقہ ایجاد کیا تھا۔ ان کا عقیدہ ہے کہ فاقہ اور ترک لذات و رہبانیت سے نجات حاصل نہیں ہوتی بلکہ خدا کی دی ہوئی جملہ نعمتوں

کو پورے طور پر استعمال کرنا چاہیئے اچھے سے اچھا کھانا اور کپڑا استعمال کرنا چاہیئے۔ شادی بیاہ کر کے خاندان کو ترقی دینا چاہیئے۔ اور جس طرح بال گوپال اپنے بچپن میں خوش و خرم رہتے تھے اور خدا کی نعمتوں سے حظ اُٹھاتے تھے۔ اُسی طرح انسان کو زندگی بسر کرنا چاہیئے۔ یاد رکھئے کہ اسی قسم کا تصور چین میں بھی موجود ہے اور تاؤ تزسے کا مذہب کہلاتا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ انسان کو بچوں کی طرح خوش و خرم رہنا چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ بچوں کے دلوں میں حسد، کینہ اور کوئی غیر فطری خواہش نہیں ہوتی۔

غرضکہ راجہ کنس کو جب یہ معلوم ہوا کہ کرشن جی اُس کے بھانجے ہیں۔ تو اُنھیں دھوکے سے بلوایا اور متھرا میں آرام سے رہنے کی دعوت دی۔ کرشن جی متھرا آ گئے۔ ایک دن ایک اکھاڑے میں پہلوانوں نے زور آزمائی شروع کی اور ایک بڑے پہلوان نے کرشن جی کو للکارا کہ اگر زور آزمائی کرنا ہے تو آ جاؤ۔ کرشن جی اپنے ماموں کی چال کو سمجھ گئے۔ انھوں نے نہ صرف اُس پہلوان کو قتل کر دیا۔ بلکہ اپنے ماموں کو بھی کیفر کردار کو پہنچا دیا لوگوں نے ظالم راجہ سے نجات پا کر کرشن جی کو راجہ تسلیم کر لیا لیکن کرشن جی نے متھرا کی سلطنت کنس کے باپ کے حوالہ کر دی اور فرمایا کہ "ہم نے کنس کو تخت کی لالچ کے لئے نہیں قتل کیا۔ یہ تخت تمھیں دیا جاتا ہے۔ دیکھو راج پاٹ کی بنیاد عدل پر ہے، ظلم پر نہیں ہے یہ سمجھ کر حکومت کرو۔"

کرشن جی نے اپنے بھائی کو ساتھ لے کر طلب علم کے لئے سفر اختیار کیا اور علوم دین اور فنونِ جنگ کے ماہر ہو گئے۔ لیکن انھوں نے سُنا کہ واسو دیو سے بدلہ لینے کے لئے متھرا پر ایک زبردست راجہ نے حملہ کیا ہے۔ تو وہ واپس آئے اور اُسے سترہ مرتبہ شکست دی اٹھارویں مرتبہ تاب مقاومت

نہ پاکر انھوں نے پورے شہر کے باشندوں کو ساتھ لے کر دوارکا کا رُخ کیا اور وہاں نہایت عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کرنے لگے۔

دوارکا یعنی دروازوں کا شہر، بڑودہ، گجرات، سوراشٹر میں ایک بندرگاہ ہے۔ یہاں کرشن جی کا مشہور مندر ہے۔ روایت ہے کہ یہاں کے باشندوں میں شراب خوری حد سے بڑھ گئی تھی۔ آخر وہ آپس میں لڑ پڑے اور ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔ اتنے میں سمندر چڑھ آیا اور اکثر باشندے ہلاک ہو گئے۔ لیکن کرشن جی مع اپنے بھائی اور ہمراہیوں کے بچ نکلے۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن کہتے ہیں کہ "پرانوں میں جو کرشن کی زندگی بیان کی گئی ہے۔ اُسے ہم تسلیم نہیں کر سکتے کرشن کے بچپن کی کہانی وغیرہ سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ کرشن جی غیر آریہ تھے۔ اگر آج کرشن جی ہندوستان کے نہایت ہی پسندیدہ دیوتا مانے جاتے ہیں، تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ بھگوت گیتا کے مصنف نے اُن کے منھ سے بلند ترین مذہب وفلسفہ کو بیان کیا ہے۔ جب کرشن جی دیوتا ہو گئے، تو اُن مختلف نام مثلاً کیشو جنار دن وغیرہ کو واسو دیو کی طرف منتقل کر دیا گیا اور دیوکی کے فرزند ہونے کی کہانیاں اصلی دیوتا سے منسوب کر دی گئیں۔ آج بھی ہم کرشن جی کے متعلق متضاد بیانات پاتے ہیں۔ کسی میں اُن کو بلند روحانیت کا حامل بنایا گیا ہے اور کسی میں محض ایک عوامی ہیرو بتایا گیا ہے" (انڈین فلاسفی ج ۱ ص ۴۹۶)

مہابھارت میں کرشن جی کے متعلق مختلف روایات کا مجموعہ پایا جاتا ہے یعنی وہ غیر آریہ ہیرو بھی ہیں روحانی معلم بھی، اور ایک قبیلے کے دیوتا بھی۔ (انڈین فلاسفی، ج ۱ ص ۴۹۴)

اُن کی زندگی کا سب سے اہم واقعہ پانڈوؤں کے ساتھ ہو کر کوروؤں

سے جنگ کرنا تھا جس میں غاصب کوروؤں کو شکست فاش ہوئی اور پانڈووں نے اپنی سلطنت حاصل کی۔ اس جنگ کو مہابھارت کہتے ہیں۔ چونکہ کرشن جی وشنو کے سب سے بڑے اوتار ہیں اس لئے ان کی تعلیم جو گیتا میں محفوظ ہے خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اوران کے ماننے والے وشنو کہلاتے ہیں اور ان کی مقدس کتاب بھگوت گیتا ہے۔

ہندوؤں میں جو لوگ اوتار سمجھے جاتے ہیں وہ اس دنیا میں خدائی صفات کے مکمل ترین مظہر مانے جاتے ہیں۔ اس لئے ان کے سامنے سر جھکانا شرک نہیں سمجھا جاتا۔ اسلامی اصطلاح میں ایسی ہستی کو رسول کہتے ہیں۔ اور رسول کی عزت کی جاتی ہے۔ لیکن اتنی زیادہ نہیں کہ اُسے خدا کا درجہ دے دیا جائے

۹- اسلام اور سری کرشن

مسلمانوں کا طرز عمل۔ اور خصوصیت سے بعض صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کا مسلک ظاہر اور واضح ہے۔ کہ وہ سری کرشن جی کو ایک بزرگ اور مصلح ملت مانتے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالرزاق بانسوی قدس سرہٗ العزیز نے اپنے ملفوظات میں نہایت احترام سے سری کرشن جی کی بزرگی وعظمت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اسی طرح حضرت مولانا عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اکثر فرمایا ہے۔ کہ سری کرشن کے جو حالات ہیں اُن کو دیکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ممکن ہے کہ وہ ہندوستان کے نبی ہوں۔ اس لئے کہ نص صریح لِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ (ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہے۔ آیت قرآن کریم) کا نظریہ بتاتا ہے۔ کہ ہر ملک وقوم میں ایک نبی ضرور بھیجا گیا ہے۔ اور ہندوستان کا اس نظریہ سے مستثنیٰ ہونا بعید از قیاس ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اکثر بزرگان دین نے

ایسے مقامات پر خصوصیت سے عبادت اور چلہ کشی کی ہے۔ جہاں ہندوؤں کے مقدس مقامات ہیں۔

مندرجہ بالا نص قرآن کے علاوہ اور بھی بہت سی آئیتیں ہیں جو ظاہر کرتی ہیں کہ خدا نے ہر ایک قوم میں نبی و رسول بھیجے ہیں جو بندگان خدا کو سچائی کی تعلیم دیتے تھے اور زندگی کے پُر پیچ و خم راستہ میں نور ہدایت دکھاتے تھے مثلاً قرآن کریم میں یہ آیتیں ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) اِنْ مِنْ اُمَّۃٍ اِلَّا قد خلت فیھا نذیر (ترجمہ۔ کوئی ایسی قوم نہیں گزری جس میں اُس کا ہادی یا بُرائیوں سے ڈرانے والا شخص نہ گزرا ہو)

(۲) لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِکَ۔ مِنْھُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَیْکَ وَ مِنْھُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ (ترجمہ ہم نے اے محمدؐ تجھ سے پہلے رسول بھیجے ہیں۔ اُن میں سے بعض کا ہم نے حال بیان کیا ہے اور بعض کا حال تجھ سے نہیں بیان کیا) لہٰذا اس میں تو ذرا بھی شک نہیں کہ سری کرشن جی اپنی قوم کے ہادی تھے۔ اور انھوں نے ایسی تعلیم دی ہے جو خدائی تعلیم ہے۔

بلبل ہندوستان، شاعر سحر بیان، میاں نظیر اکبر آبادی ہندوستان کے ایک صوفی منش شاعر تھے۔ ان کا مشرب صلح کل اور مسلک فقیرانہ تھا۔ انھوں نے مختلف نظموں میں سری کرشن جی کی تعریف کی ہے۔ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا اگر اُن کے جستہ جستہ اشعار یہاں درج کئے جائیں۔ اس سے آپ کو یہ بھی اندازہ ہوگا کہ مسلمانوں کی سلطنت کے آخری دور تک ہندو اور مسلمان کال یک جہتی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ اور ایک دوسرے مذہب کے بزرگوں کو عقیدت و نیاز کی نذر پیش کیا کرتے تھے۔

۲۹

جنم کنھیّا جی

ہے ریت جنم کی یوں ہوتی جس گھر میں بالا ہوتا ہے
اُس منڈل میں ہر من بھیتر سُکھ چین دوبالا ہوتا ہے
سب بات بتھا کی بھولی ہے جب بھولا بھالا ہوتا ہے
آنند منڈیلی باجت ہیں تت بھون اُجالا ہوتا ہے
یوں نیک نچھتر لیتے ہیں اس دُنیا میں سنسار جنم
پر اُن کے اور ہی لچھن ہیں جب لیتے ہیں اوتار جنم

سبھ ساعت سے یوں دُنیا میں اوتار گربھ میں آتے ہیں
جو نارد مُن ہے دھیان بلی سب اُس کا بھید بتاتے ہیں
وہ نیک مہورت سے جس دم اس سنسار میں جنمے جاتے ہیں
جو لیلا رچنی ہوتی ہے وہ روپ جا دکھلاتے ہیں
یوں دیکھنے میں اور کہنے میں وہ روپ تو بالے ہوتے ہیں
پر بالے ہی پن میں اُن کے اُپکار نرالے ہوتے ہیں

پھر آیا واں اک وقت ایسا جو آئے گرب میں منموہن
گوپال- منوہر، مُرلی دھر، سری کرشن- کشورن، کیول من
گھنشام، مُراری، بنواری، گردھاری، سُندر، شام برن
پربھو ناتھ، بہاری، کان للا، سکھ دائی، جگ کے دُکھ بھنجن
جب ساعت پرگھٹ ہونے کی واں آئی مکٹ دھریا کی
اب آگے بات جنم کی ہے- جے بولو کرشن کنھیا کی

کرشن جی کی پیدائش اور کنس کے مظالم کا حال لکھنے کے بعد کرشن جی کی

نے نوازی اور بچپن کا حال اس طرح لکھتے ہیں سہ

بالپن

یارو سنو یہ دودھ کنھیا کا بالپن — اور مدھ پوری نگر کے بسیا کا بالپن
موہن سروپ کرت کریا کا بالپن — بن بن کے گوال گوؤں چریا کا بالپن

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

ظاہر میں سب وہ نند جسودا کے آپ تھے — ورنہ وہ آپ مائی تھے اور آپ باپ تھے
پردہ میں بالپن کے یہ اُن کے ملاپ تھے — جوتی سروپ کہئے جنھیں سو وہ آپ تھے

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

اُن کو تو بالپن سے نہ تھا کام کچھ ذرا — سنسار کی جو ریت تھی اُس کو رکھا بجا
مالک تھے وہ تو آپی، اُنھیں بالپن سے کیا — واں بالپن جوانی بڑھاپا سب ایک تھا

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

مالک جو ہووے اُس کو سبھی ٹھاٹھ یاں سرے — چاہے وہ ننگے پاؤں پھرے یا مکٹ دھرے
سب روپ ہیں اُسی کے جو کچھ چاہے سو کرے — چاہے جواں ہو، چاہے لڑکپن سے من بھرے

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

بانسری

جب مرلی دھر نے مرلی کو اپنی ادھر دھری — کیا کیا پریم پریت بھری اس میں دھن بھری
لے اس میں رادھے نام کی ہر دم بھری بھری — لہرائی دھن جو اس کی ادھر اور ادھر دری
سب سننے والے کہہ اٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کرشن کنھیا نے بانسری

کتنے تو اس کے سننے سے دھن ہو گئے دھنی — کتنوں کی سدھ بسر گئی جس دم وہ دھن سنی
کتنوں کے من سے کل گئی اور بیاکل چھنی — کیا نر سے لے کے ناریاں کیا کوڑھ کیا گنی
سب سننے والے کہہ اٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کرشن کنھیا نے بانسری

مندرجہ بالا مدح سرائی کسی قدر خلوص اور سچائی پر مبنی ہے۔ ان نظموں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگلے زمانہ میں ہندوستان کے مختلف مذاہب کے متعلق عوام کا رویہ کامل رواداری ہی کا نہیں تھا۔ بلکہ ایک دوسرے مذاہب کے بزرگوں کا دل سے احترام کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک صوفیائے کرام کے مزارات پر ہزارہا ہندوؤں کا ہجوم ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ تعزیوں کی رسم (جو یقیناً بدعت ہے) ہندوؤں میں بھی اکثر مقامات پر جاری ہے۔ اسی طرح مسلمانوں نے بھی ہندوؤں کی ہزارہا مذہبی رسوم کو اختیار کر لیا ہے۔ اور کسی بیرونی ملک کے سیاح کو ہندو اور مسلمان کے تمدن و معاشرت میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ ہاں جب سے ہندوستان میں مذہب کی آڑ میں یہاں کی قوموں کو لڑایا جا رہا ہے۔ اور سیاسی خود غرضی کا شکار بنایا جا رہا ہے اس وقت سے یقیناً یہاں آپس میں کشیدگی بڑھ رہی ہے اور دوسرے ملکوں

کے باشندوں کو ہم پہ ہنسنے کا موقعہ مل رہا ہے۔ لیکن واقعہ ہے۔ یہ جو کچھ کیا جارہا ہے۔ وہ سطحی ہے۔ اور ہندوستان کا کوئی مذہب جنگ فتنہ پردازی کی تعلیم نہیں دیتا۔

موجودہ دور میں جو مسلمان شاعر ہیں۔ اُن کے چند اشعار درج کرنے کے بعد میں اس حصہ مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ مولانا ظفر علی خاں صاحب سے

سری کرشن کا میں احترام کرتا ہوں — اور اس میں روز نیا اہتمام کرتا ہوں
یہ اہتمام بروئے عقیدۂ سلام — بحکم صاحب بیت الحرام کرتا ہوں
ہنود بھول گئے ہیں کرشن کی تعلیم — گلہ میں اُن سے یہی صبح و شام کرتا ہوں
وہ جور و ظلم کی بنیاد ڈھانے آیا تھا — میں اُس کی رسم کو دنیا میں عام کرتا ہوں

حضرت ابو المعظم مرزا سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی نے کرشن کتھا رقام فرمائی ہے۔ اس کا ہر ایک بند نہایت پُر کیف ہے تبرکاً چند بند درج ذیل ہیں۔

مقصود ہے مدحت عرفاں نصیب ذات — جس کے گیان دھیان نے سب کو کیا مات
جو منتخب بذات خدا مملو بصد صفات — جس کا فنا کی شکل میں مکتوم ہے ثبات
جس کا نظارہ دیدہ کے حق میں دقیق ہے
عرفاں کا بحر اس کا نہایت عمیق ہے

جس بحر نیک نامی میں اُس نے کیا شنا — ساحل تک اُس کے کوئی نہیں پہنچا دوسرا
دُنیا لے تفرمیں وہ رہا دیں کا بادشا — عالم میں دین کے کیا۔ دنیا کا وہ بھلا
جس کی نظیر دونوں جہاں میں محال ہے
نیرنگیوں میں اُس کے عمل کی کمال ہے

گیتا گواہ حسن عمل اُس کی دیکھ لو — اُس کو ملاحظہ کرو، اُس کو پڑھو گنو
آنکھوں سے دل کی غور کرو، قول فعل کو — رہبر بنا کے اُس کے قدم پر قدم چلو

اوصاف گر بشر کے ہوں درکار اس میں ہیں
فوق البشر جو چاہو تو اطوار اُس میں ہیں

جناب مرتضیٰ احمد خاں صاحب اڈیٹر جریدۂ افغانستان فرماتے ہیں ؎

کان اب تک سُن رہے ہیں بانسری کی وہ صدا
دل جو اہلِ درد کا متھرا میں تڑپاتی رہی

شعلۂ عرفاں تھی۔ برقِ زندگی افروز تھی
اہلِ سوز و ساز کی مجلس کو گرماتی رہی

کنس کو اور کوروؤں کو ظلم کی دے کر سزا
تیری حق بینی سدا باطل کو ٹھکراتی رہی

اے کنھیا، دیکھ پھر ڈوبی ہوئی کشتی ہند کی
زد ِطوفاں میں تھپیڑے موج کے کھاتی رہی

اس غلام آباد میں۔ حالت یہ اپنی مدتوں
خون کے آنسو ہمیں تقدیر رُلاتی رہی

تیری رتھ بانی کا پھر ہندوستاں محتاج ہے
اور اُس نے کی حقیقت کا جہاں محتاج ہے

غرضکہ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے وہ نہ صرف سری کرشن جی کو بلکہ ہر اُس بزرگ کو جس نے اپنی قوم کو ہدایت راہِ حق کی بنی۔ رسول یا مہاپُرش ماننے کو تیار ہے اس لئے کہ اسلام نیا مذہب نہیں ہے۔ بلکہ وہ صرف یہ بتانے آیا ہے کہ دُنیا میں جتنے ملک ہیں۔ حتیٰ کہ جتنی قومیں ہیں، وہاں ہر قوم میں ان کو صحیح راستہ دکھانے والا بھیجا گیا ہے۔ اور قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ جہاں تک رسالت کا تعلق ہے سب نبی برابر ہیں۔ لَانُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِ (ہم رسولوں میں کوئی تفرقی یا امتیاز نہیں کرتے) غرضکہ اُن رسولوں کے علاوہ جن کے نام قرآن کریم میں درج ہیں۔ مسلمان ان سب نبیوں کو مانتے ہیں جن کے مبارک ناموں کا تذکرہ قرآن میں نہیں ہے۔ اور اُن کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو اُن پر نازل ہوئی ہیں، اور راہ حق دکھاتی ہیں۔ کاش دُنیا کی قومیں سچے ہادیوں کی ہدایت کے حقیقی معنی سمجھ کر اس وحدتِ ایمانی کے پرسکون معبد میں آکر اپنے اختلافات کو مٹا دیں، اور

اصلی وحدانیت کو سمجھیں۔

۱۰۔ جنگ مہابھارت

جب پنجاب کے ملک کو ناکافی پاکر آریوں نے آگے قدم بڑھایا تو گنگ و جمن کے وسیع و زرخیز میدان اُن کے خیر مقدم کے لئے موجود تھے۔ گنگا کے کنارے جو شہر آباد کیا گیا، اُس کا نام ہستنا پور رکھا گیا۔ اور اُس سے ساٹھ میل جنوب مشرق کو دوسرا شہر اندر دیوتا کے نام پر اندر پرستھ (دہلی) قرار پایا۔ یہ وہی سرزمین ہے، جو متمدن ہندوستان کی ہمیشہ سے راجدھانی رہی ہے۔ اور سیکڑوں قوموں کے عروج و زوال کو دیکھ چکی ہے۔

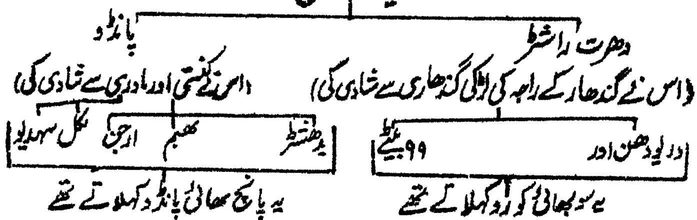
یوں تو آریہ قوم ہند کے اصلی باشندوں سے ہمیشہ برسرِ پیکار رہی، لیکن اُن کی آپس کی لڑائی جس کا تذکرہ رزمنامہ مہابھارت ہے خاص طور پر یادگار زمانہ ہے۔ اس تاریخی جنگ کے افسانے عرصہ تک زبان زدِ خلائق رہے اور صدیوں تک شاعر اور داستان گو راجاؤں کی سبھاؤں عوام کی مجلسوں اور اپنے خاندانوں میں اُن واقعات کو دُہراتے رہے۔ جو ہندوؤں کے نزدیک نہایت محبوب اور روح پرور ہیں۔

اس جنگ کے سیکڑوں برس بعد غالباً کسی راجہ کے حکم سے مہابھارت قوم کے کارناموں کو نظم کا لباس پہنایا گیا۔ اور اس جنگ کو زندۂ جاوید بنا دیا گیا گویا یہ کتاب ہندوستان کی اِلیڈ ہے۔ اور جس طرح ایران میں رستم۔ اور یورپ میں آرتھر اور شارلمین سے ہر اس قصہ کو نسبت دے دی جاتی تھی، جس میں بہادری اور جرأت و مروّت کا تذکرہ ہوتا تھا۔ اسی طرح ہندوستان میں مہابھارت بہت سی نظموں اور افسانوں کا مرکز بن گئی۔ چونکہ یہ رزمنامہ بہت

زیادہ مشہور و مقبول ہوگیا تھا، اس لئے ہر زمانہ کے شاعروں نے اس میں کچھ نہ کچھ اضافہ کرنا شروع کر دیا اور قانون، اخلاق و مذہب کے مضامین اس میں بھر دیئے گئے اور رزمنامہ کا اصلی جوہر قصّوں، افسانوں، اساطیر، کلام و قانون کے پردہ میں روپوش ہوگیا۔

ظہور مسیح کے کچھ صدیوں بعد کوشش کی گئی کہ رزمنامہ کے شروع میں چند اشعار بڑھا دیئے جائیں جن میں مختلف مضامین رزمنامہ درج ہوں اور اشعار کی تعداد بھی لکھ دی جائے اس طرح کل بچاسی ہزار شعر تھے لیکن پھر بھی اضافہ ہوتا رہا۔ اور جو کتاب کلکتہ سے شائع ہوئی ہے۔ اُس میں علاوہ اس تتمہ کے جو ہری کی نسل سے متعلق ہے۔ نوّے ہزار اشعار زائد ہیں۔

مہابھارت کی جنگ ایسے راجاؤں کے درمیان ہوئی تھی، جو ایک ہی دادا کی اولاد تھے؛ جس کا نام ویاس تھا۔ دھرت راشٹر اور پانڈو ں دونوں ویاس کے بیٹے تھے۔ ویاس کے مرنے کے بعد ان دونوں کی پرورش ان کے چچا بھیشم نے کی تھی۔ جب یہ سن بلوغ کو پہنچے تو باوجودیکہ دھرت راشٹر بڑا لڑکا تھا لیکن پیدائشی نابینا تھا۔ اس لئے سلطنت سے محروم کر دیا گیا۔ اور راج پاٹ پانڈو کو ملا۔ ذیل میں آسانی کے لئے متحاربین کا شجرہ درج ہے۔



شجرہ سے معلوم ہوگا کہ کورو اور پانڈو چچا زاد بھائی تھے۔ اور ایک ہی گرو کی تربیت میں ہستنا پور کے راج محل میں تربیت پاتے تھے۔ اس طرح بچپن ہی سے اُن میں تفاخر اور مسابقت کا مادہ پیدا ہو گیا تھا۔

پانڈو کے مرنے کے بعد دھرت راشٹر نے اپنے بیٹوں کی مدد سے ہستنا پور کی گدی پر قبضہ کر لیا تھا اور انھوں نے یہ بھی کوشش کی تھی کہ یدھشٹر کے مکان میں آگ لگا کر پانڈوؤں کو تباہ کر دیں۔ لیکن وہ کسی طرح بچ کر نکل گئے اور مدتوں آوارہ وطن رہے۔

اس درمیان میں پانچال قوم کے راجہ درو پد نے قنوج (کام پلیہ) سے اعلان کیا کہ میں اپنی بیٹی درو پدی کا سوئمبر کرنا چاہتا ہوں۔ یعنی جو شخص تیر اندازی کے مقابلہ میں سب سے زیادہ ماہر ہوگا اُس کے ساتھ درو پدی کی شادی کی جائے گی۔ مقابلہ ہوا اور ارجن نے جملہ راجکماروں کو شکست دے کر درو پدی کو حاصل کر لیا اس طرح پانچال قوم کے راجہ کی حمایت میں پانڈوں کا اقتدار بڑھ گیا۔ اور نیک نیت دھرت راشٹر نے اپنے بھتیجوں کے ساتھ انصاف سے کام لیا۔ اور ہستنا پور میں بلا کر اپنی نصف سلطنت پانڈوں کو دے دی۔ اور جمنا کے کنارے اُنھوں نے اندر پرستھ (دہلی) کی بنیاد ڈالی۔ لیکن کوروں کو ہوس ملک و جاہ نے پھر آمادہ کیا کہ پانڈوں کو زک دیں۔ اس لئے ایک سبھا کی گئی۔ جس میں یدھشٹر بلائے گئے اور وہ جوئے کے داؤں پر راج پاٹ مال و دولت حتیٰ کہ رانی درو پدی کو بھی ہار گئے چودہ سال کا بن باس ہوا۔ مصیبتیں اُٹھائیں تکلیفیں سہیں۔ اور آخر کار جلا وطنی کا زمانہ ختم کر کے پانڈوں نے اپنی سلطنت واپس مانگی۔ کوروں نے غداری اور عہد شکنی کی اور وعدہ پورا کرنے سے انکار کر دیا۔

اس موقع پر سری کرشن جی کا ظہور ہوتا ہے یہ یادوؤں کے قبیلہ میں پیدا ہوئے تھے۔ اور یہ قبیلہ کوروؤں اور پانڈوؤں کا رشتہ دار تھا۔ اس لئے کرشن جی نے مناسب سمجھا کہ خونریزی نہ ہو۔ اور آریہ قوم کے افراد ایک دوسرے کو تباہ کر کے متحدہ قومیت میں رخنہ نہ ڈالیں۔ لہذا انھوں نے جلا وطن اور مظلوم پانڈوؤں کی طرف سے سفارت کا کام اپنے ذمہ لیا اور دھرت راشٹر کے دربار میں گئے۔ اور کوروؤں کو بہت سمجھایا کہ انصاف کو نہ چھوڑیں اور پانڈوؤں کو صرف پانچ گاؤں رہنے کے لئے دے دیں لیکن مغرور اور غاصب کوروؤں نے امن و آشتی کے راستے پر چلنے سے انکار کر دیا اور درپردہ یہ کوشش کی کہ سری کرشن جی کو بھی گرفتار کر لیں۔ لیکن قضا و قدر نے اُن کا ارادہ پورا نہ ہونے دیا۔

غرضکہ جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ اور دونوں طرف معاونت کے لئے بڑے بڑے راجہ مع اپنی فوجوں کے آموجود ہوئے۔ چونکہ کرشن جی دونوں کے رشتہ دار تھے اس لئے جب دریودھن اور ارجن نے آپ سے امداد طلب کی تو آپ نے فرمایا کہ میں دونوں کا رشتہ دار ہوں۔ اس لئے میں کسی طرف سے نہ لڑوں گا اور نہ اس جنگ میں ہتھیار اُٹھاؤں گا۔ اس لئے میں آپ دونوں کو اجازت دیتا ہوں کہ خواہ مجھے اپنی طرف لینا پسند کیجئے یا میری فوج کو لے لیجئے۔ دریودھن نے انتخاب میں غلطی کی اور کرشن جی کی فوج کی مادی قوت کو خود کرشن کی اخلاقی و روحانی طاقت پر ترجیح دی۔ اور تنہا کرشن جی مع اپنی روحانی فوجوں کے ارجن کے مددگار بن گئے اور وہی نتیجہ ہوا جو بھگوت گیتا کے خاتمہ پر درج ہے یعنی " جہاں کہیں یوگ کا مالک کرشن ہے اور جہاں کہیں پارتھا (ارجن) تیرانداز ہے۔ وہاں یقیناً

خوشحالی، فتحمندی اور مسرت ہے۔"
مہابھارت کی جنگ کا یہ نتیجہ ہوا کہ سو کے سو کورو مارے گئے۔ اور پانڈوؤں کے پانچ بھائیوں کے علاوہ اُن کے جملہ عزیز و رفیق بھی قتل ہو گئے۔ اس کے بعد دھرت راشٹر نے کل سلطنت پانڈوؤں کے سپرد کر دی۔ اور خود اپنی بیوی کو لے کر جنگل کی راہ لی۔ لیکن جب وہ دُنیا کو ترک کر کے فقیروں کی زندگی بسر کرنے جا رہا تھا تو اُس وقت پانڈوؤں کی ماں نے بھی ترک دُنیا کا فیصلہ کیا اور دھرت راشٹر کے ساتھ ساتھ چلی گئی اور آخر کار یہ سب لوگ کسی جنگل میں جل کر مر گئے۔ جب پانڈوؤں نے ۳۶ سال بعد یہ خبر سُنی کہ کرشن کا انتقال ہو گیا تو اُنھیں سخت افسوس ہوا اور انھوں نے بھی سلطنت چھوڑ کر اپنی بیوی دروپدی اور ایک وفادار کتّے کو ساتھ لیا اور اندر کی بہشت کی تلاش میں کوہ ہمالیہ کا راستہ لیا۔ راستہ میں سب ایک ایک کر کے مر گئے۔ صرف یدھشٹر معہ اپنے کتّے کے بہشت کے دروازے تک پہنچا۔ لیکن جب اندر نے بہشت میں داخل ہونے کا حکم دیا تو اُس نے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ میں اُس وقت تک اندر نہ جاؤں گا، جب تک کہ میرے بھائی اور بیوی بھی نہ داخل کئے جائیں۔ یدھشٹر کی دُعا قبول ہوئی لیکن چونکہ کتّے کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی اس لئے اس نے پھر بہشت میں جانے سے انکار کر دیا اور بہشت کی ایک جھلک دیکھنے کے بعد دوزخ میں ڈال دیا گیا۔ یہاں اس نے اپنے رفقاء کو موجود پایا اور باوجودیکہ دوزخ میں بہت زیادہ تکلیف تھی، لیکن بہشت کا تنہا لطف اُٹھانے پر اپنے دوستوں کی مصیبت میں شرکت کو زیادہ پسند کیا اور دلی مسرت کا اظہار کیا۔ جب وہ اس امتحان میں بھی پورا اُترا تو

اُسے ظاہر ہو گیا کہ یہ جنگ و جدل۔ زندگی موت۔ جنت و جہنم سب دھوکا (مایا) تھا اور حقیقت آشنا ہو کر مع اپنی کل جماعت کے بہشت میں داخل ہو گیا۔ یعنی اُسے فراغت کاملہ حاصل ہو گئی۔ اور سب اندر کے ساتھ اطمینان قلب کے ساتھ رہنے لگے۔

یہ ہے مختصر تاریخ اس وقت تک کی جب کہ سری کرشن جی پانڈوؤں کی مدد کو تشریف لائے اور بحیثیت ارجن کے رتھ بان کے جنگ میں شریک ہوئے۔ اور وہ معرفت الٰہی کی تعلیم دی جو بھگوت گیتا میں محفوظ ہے۔

اس خاص لڑائی کے علاوہ مہابھارت میں بہت سے لطیف افسانے بھی ہیں۔ جو جمالیاتی نقطۂ نظر سے نہایت بلند پایہ ہیں ہر ایک قصہ میں کوئی نہ کوئی اخلاقی پہلو روشن ہے۔ ان میں "نل اور دمینتی" اور "ساوتری اور ستیاوان" کے قصے خاص طور پر جاذب توجہ ہیں۔ مہابھارت کی زبان نہایت ہی سلیس، سادہ اور غیر مصنقل ہے۔ اس میں تشبیہ اور استعارے بہت کم ہیں۔ اور جو ہیں بھی وہ نہایت فطری اور سادہ ہیں کہیں جنگ آزماؤں کے حملہ کو جنگلوں میں ہاتھیوں کی دوڑ سے تشبیہہ دی گئی ہے، کہیں تیروں کی سنسناہٹ کو پرندوں کے اُڑنے سے اور کہیں کسی حسین دوشیزہ کے حسن شاداب کو نیلگوں نیلوفر سے؛ اس کا ترجمہ کئی زبانوں میں ہو چکا ہے اور جس طرح یورپ والوں کو ایلڈ اور اوڈیسی پر ناز ہے۔ اُسی طرح ہندوستانیوں کو بجا طور پر یہ فخر ہے کہ رزمنامۂ مہابھارت اور رامائن نہ صرف مشرق کے لئے بلکہ کل عالم کے لئے ایک لطیف و پاکیزہ سرمایۂ علم و ادب، فلسفۂ و اخلاق، مذہب و تاریخ ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ علم کسی خاص قوم کی ملکیت نہیں، بلکہ انسانیت کا جائز ورثہ ہے۔

مسٹر رومیش چندر دت نے کافی تحقیق کرنے کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ

مہابھارت کی جنگ درحقیقت پنچالہ کے راجہ اور کوروؤں کے درمیان ہوئی تھی لڑائی کا یہ نتیجہ ہوا کہ فریقین میں سے صرف آٹھ آدمی زندہ بچے تھے تین کورو اور سات پانڈو، اور چھتری قوم شمالی ہندوستان سے نیست و نابود ہو گئی۔ پانڈو راج کے مالک ہوئے لڑائی کے بعد ۳۶ سال تک یدھشٹر نے راج کیا، اور اس کے بعد ارجن کے پوتے کو راجہ بنا کر پانچوں بھائی تارک الدنیا ہو گئے۔

علاوہ ان بہادروں کے جنھوں نے چھتریوں کے دھرم کے مطابق پورا عمل کر دکھایا، مہابھارت میں جن عورتوں کا تذکرہ ہے وہ بھی دھرم کی دیویاں اور چھتری بہادروں کی مائیں بننے کے قابل تھیں۔ دروپدی جب مالک سے لونڈی بنائی گئی تو اس نے جس استقلال کا ثبوت دیا وہ اس کے شایان شان تھا۔ کنتی نے بھی جو پیغام اپنے بیٹوں کو بھیجا تھا وہ بھی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے "اپنے باپ کا راج حاصل کرو۔ ورنہ اس کوشش میں مرجاؤ" یہ حکم اس غرض سے نہیں دیا گیا تھا کہ راج حاصل کر کے وہ آرام کرے گی۔ بلکہ جب سلطنت حاصل ہوئی تو وہ اپنے خاوند کے بھائی دھرت راشٹر کے ساتھ تارک الدنیا ہو کر جنگل کی طرف روانہ ہو گئی۔

مہابھارت کے آخری چار اشلوک جو اس کے سبق آموز افسانوں کا لب لباب ہیں ان کا مفہوم یہ ہے۔

"اس دُنیا میں ہزاروں آدمی آتے جاتے رہتے ہیں۔ ہزاروں رنج و راحت کے موقع بھی آتے رہتے ہیں۔ لیکن خوشی اور رنج ان ہی پر اثر کرتے ہیں جو اس دنیا کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ جو حقیقت کو جانتا ہے اس کے لئے شادیٔ و غم برابر ہے۔ دولت نیکی ہی کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا لوگوں کو نیک ہونے کی کوشش کیوں نہ کرنی چاہیئے۔ خوشی، خوف یا لالچ سے نیکی کو نہ ترک کرنا

چاہیئے۔ اگر زندگی بھی نیکی کے لئے دینی پڑے تو دریغ نہ کرنا چاہیئے۔ نیکی ہی ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ رنج و راحت تو آنے جانے والی چیزیں ہیں۔"

بھگوت گیتا

ا۔ تمہید

بھگوت گیتا ایک نظم ہے جو ہندو رزمیہ شاعری کی بحر میں لکھی گئی ہے۔ اور رزمنامئہ مہابھارت کے چھٹے باب کا ایک حصہ ہے۔ دُنیا کے ادبیات میں گیتا کا درجہ نہایت ہی پُرشوکت اور بلند ہے۔ اور اس کا یہ درجہ اس وقت تک قائم رہے گا، جب تک انسان ان چیزوں پر غور کرتے رہیں گے جو اُس کے تجربہ، احساسات اور مادّے سے بالاتر ہیں۔ جب تک دُنیا میں رُوح اور روحانیت کا چرچا ہے۔ اُس وقت تک خدا کا نام لینے والے یقیناً اس تقریر آتشیں، اس ترانۂ سرمدی اور اس جلوہ نمائے خداوندی کا مطالعہ کرتے رہیں گے۔

ایک طرف کوروؤں کے ساتھ راجا مہاراجا اپنی اپنی فوجوں کے بڑے جمائے جنگ کے لئے تیار ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ خود سری کرشن جی کی فوج مع اپنی جملہ مادی قوتوں کے کوروؤں کی مدد کے لئے دے دی گئی ہے۔ دوسری طرف پانڈوؤں کی فوج ہے جس میں خود وشنو نے کرشن کا اوتار لے کر شرکت کرنا مناسب سمجھا ہے۔ لیکن یہ طے کر لیا ہے کہ خود کسی مادّی قوت کا

استعمال نہ کریں گے بلکہ اپنی روحانی و اخلاقی طاقت سے پانڈوؤں کی مدد و رہبری کریں گے۔

ارجن پر وہ تذبذب وار تعاش طاری ہے جو اکثر متلاطم جذبات اور متضاد فرائض کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے کہ عملی زندگی میں قدم رکھا جائے اور اپنے عزائم اور ارادوں پر استقلال سے قائم رہ کر جادۂ مستقیم سے قدم نہ ڈگمگے۔ کمزور دل کا ذکر نہیں۔ مضبوط قلب اور استوار ارادہ رکھنے والے کتنے انسان ہیں جو فرض کا صحیح احساس کر کے راہِ راست پر چل سکیں اور انھیں لغزش نہ ہو، جب دو نصب العین، دو مطمحِ نظر، دو راستے سامنے ہوں۔ اور بظاہر دونوں منزلِ مقصود تک لے جانے والے ہوں تو یقیناً ایک عالم اضطراب طاری ہو جاتا ہے، اور بسا اوقات نیک نیتی سے وہ راستہ اختیار کر لیا جاتا ہے۔ جو غلط ہوتا ہے اور پرخطر، یہ عقل و جذبات کا تصادم، یہ ارادے اور احساس کی آویزش جب غلط راستہ پر لے جاتی ہے تو اُسے اجتہادی غلطی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

وہ لمحہ جس میں انسان فیصلہ کن عملی قدم بڑھاتا ہے۔ نہایت عجیب اور خطرناک ہوتا ہے۔ وہ لمحہ، وہ فیصلہ کی گھڑی، وہ ارادے کی عمل کے لئے تیاری بسا اوقات پیش خیمہ ہوتی ہے ایک انقلاب عظیم کا۔ اس کشمکش و پیچ اور اضطراب کی حالت کا مطالعہ کرنا ہو تو ارجن کو دیکھئے میدان جنگ ہے، فوجیں ہیں اور فیصلہ کا لمحہ سر پر موجود ہے۔ اِدھر عزیز، اُدھر قریب اِدھر بھائی اُدھر چچا اور اُستاد، اِدھر وہ جن کے واسطے سلطنت کی تلاش ہے اُدھر وہ جن کے بغیر سلطنت تو کیا زندگی ہی بے سود ہے، فرض کیا ہے؟ عزت

کسے کہتے ہیں۔ دھرم اور ادھرم کی کش مکش میں جذبات محبت کا کیا درجہ ہے؟ عزت کے لئے اپنے عزیز و اقارب سے جنگ بہتر ہے یا خوں ریزی اور قطع رحم سے بچ کر ذلیل پسپائی؟ یہ خیالات تھے جو بہ یک وقت اُس فیصلہ کن لمحہ میں ارجن کے دل و دماغ کو اپنے پیہم حملوں کی آماجگاہ بنائے ہوئے تھے۔

لیکن نوحؑ و یونسؑ کا خدا، اسمٰعیلؑ کو خنجر سے اور ابراہیمؑ کو آتشِ نمرود سے بچانے والا خدا، وہ خدا جس نے موسیٰ کو فرعون سے بچا کر بنی اسرائیل کا آزاد کنندہ بنایا۔ وہ خدا جس نے ابرہہ کی فوج کو معمولی سی وبا سے پامال کر دیا۔ وہی خدائے قدوس ہمیشہ اپنے بندوں کی بیچارگی اور کم مائیگی کا اندازہ، اُن کی فروتنی، رضا جوئی اور توکل سے کرتا ہے۔ اور اپنے پرستار اپنے بھگت کو مغموم و مجبور دیکھ کر اِنَّ اللہَ مَعَ الصَّابِرِین (اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) کے وعدہ کو پورا کرتا ہے۔ اور ارجن کو یزدانی نور کی روشنی میں راہِ عمل صاف صاف دکھلاتا ہے۔

القا کہئیے، الہام سے تعبیر کیجئے، ضمیر کی آواز بتائیے، یا دُنیا والوں کی زبان میں ارادہ کی فتح کہئیے۔ غرضکہ ہوا یہ کہ ادھرم کو دھرم نے فطری جذبہ کو فطری جذبہ ہی نے شکست دی۔ عقل نے عقل سلیم ہی کی بات سُنی۔ اور کوشش کی مادی صورت تھی یا روحانی فیضان: یا خود ارجن ہی نے خود کوشی یا جوہر سرمدی میں فنائیت کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔ کہ وہ اپنے نتیجہ پر پہنچا، جو بظاہر جذبات، حواس اور تعقل سے بالاتر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جو چیز عوام کی کوتہ بین نگاہوں میں فنا اور عدم کا درجہ رکھتی ہے۔ وہ قلوب معرفت شناس کے سامنے بقا ہے اور وجود کامل۔

ارجن سپاہی تھا۔ ایک سچا سپاہی جو طبعی طور پر چھل کپٹ سے دور تھا اور اپنے فرائض کی کش مکش میں ایک مستقل فیصلہ کا عادی تھا۔ وہ سپاہی تو تھا ہی لیکن ایک مکمل انسان بھی تھا۔ لہذا سری کرشن جی کی تعلیم کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ انسان غالب آئے سپاہی پر۔ اور انسانیت فتح حاصل کرے بہیمت اور عسکریت پر۔ اور روحانیت کی فیروزمندی۔ مادیت کو پردۂ فنا میں منہ چھپانے پر مجبور کرے۔

۲۔ تاریخ تصنیف

زمانہ تصنیف کے متعلق تاریخی شہادتیں مشکل سے ملتی ہیں۔ اس لئے کہ قدیم ہندوستان میں تاریخ و روایات میں بہت زیادہ امتزاج کر دیا جاتا تھا اور اس بات کو حقیقتاً کوئی اہمیت بھی نہیں ہے کہ واقعہ کب ہوا، دیکھنا صرف یہ ہے کہ اگر ہوا تو کس طرح ہوا اور اُس سے انسانیت نے کیا سبق لیا۔

اس میں تو ذرا بھی شبہ نہیں کہ مہابھارت کی جنگ ضرور ہوئی۔ اور اُس میں آریہ قوم ہی کے دو گروہ ایک دوسرے سے لڑے۔ رزمنامہ کی قدیم ترین تصنیف کے متعلق یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ یہ اُس وقت کی تصنیف ہو سکتی ہے جبکہ اتھروِن انیشدیں تصنیف ہوئی تھیں۔ یہ زمانہ حضرت مسیح سے ایک ہزار سال قبل کا مانا جاتا ہے۔ لیکن پروفیسر مکڈانل کا خیال ہے مسیح سے ۵۰۰ (پانچ سو) سال قبل کے قریب اس کی تصنیف ہوئی ہے اور اس میں بعد کو بہت سے اضافہ کئے گئے جو سنہ عیسوی تک ہوتے رہے۔

بہرحال یہ تو یقینی ہے کہ مہابھارت کی لڑائی کے سیکڑوں برس بعد رزمنامہ کی تصنیف کی گئی اور یونانی مورخوں اور کتبات وغیرہ سے یہ معلوم ہوتا ہے

کہ حضرت مسیح سے چار صدی پہلے یہ کتاب موجود تھی۔ (دیکھئے انڈین سٹوڈن جلد دوم۔ صفحہ ۱۶۱) اور پہلی یا دوسری صدی قبل مسیح تک اس میں اضافوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ گیتا کو نظم کا جامہ پہنانے کے بعد کس وقت مہابھارت میں ضم کیا گیا۔

مہابھارت کی تصنیف کی یہ غرض معلوم ہوتی ہے کہ ہندوؤں کے مذہبی خیالات میں جو انتشار و اختلاف پیدا ہو گیا تھا وہ دُور ہو جائے اور سب ہندو مل کر بدھ مذہب کا مقابلہ کر سکیں۔ اس خیال کی تائید مہابھارت کی عبارت اور مضامین سے ہوتی ہے۔ لیکن لڑائی کا اصل واقعہ گوتم بدھ کی پیدائش سے پہلے کا ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ مہابھارت کی لڑائی حضرت مسیح سے ۱۲ سو یا ایک ہزار سال پہلے ہوئی تھی۔ اور گوتم بدھ کے مذہب کا رواج سنہ عیسوی سے ۵۴۳ سال پہلے ہوا ہے۔ اور ایک ہزار سال تک برہمنوں کے مذہب کے رقیب رہنے کے بعد نویں صدی عیسوی تک اس مذہب کے پیرو کل ہندوستان میں قتل کر دئیے گئے اور باقی ماندہ ہندوستان چھوڑ کے فرار ہو گئے۔

مہابھارت میں جو اضافے کئے گئے ہیں ان کے متعلق یہ امر خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ اشوک کے جانشین کمزور تھے اور ۱۸۴ سنہ قبل مسیح میں سنگون نے تخت سلطنت پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ ہندو تھے۔ اور بدھ مذہب کا تنزل اور ہندو مذہب کی ترقی اس زمانہ سے صاف ظاہر ہوتی ہے۔ اہلِ تحقیق کا خیال ہے کہ ہندو ادبیات کو سنگوں کی حکومت نے بہت مدد دی۔ اور اسی دَور میں مہابھارت میں کافی اضافے کئے گئے۔ اور ترقی کر کے ۸۰۰۰ اشعار بیس ہزار اشعار ہو گئے۔ بہت ممکن ہے کہ فلسفۂ عمل

سکھانے اور بدھ مذہب کے فلسفۂ بے عملی و مایوسی کو مٹانے کے لئے کسی ہندو بزرگ نے ہندو مذہب اور ہندو فلسفہ کے عملی پہلو کو اس طرح ایک جگہ جمع کر دیا ہو۔ اور رزمنامہ میں اس کا اضافہ اس لئے کیا ہو کہ یہی عوام الناس کی ایک مقبول کتاب تھی اور اس کا مطالعہ ہر جگہ اور ہر سوسائٹی میں ہوتا تھا۔

بہرکیف تاریخی حیثیت سے کچھ بھی ہو لیکن ادبی شہادت اس نظریہ کے لئے کافی ہے کہ شاعر نے جس عنوان سے گیتا کو مہابھارت میں ضم کیا ہے، اس میں ایسی صنعت گری سے کام لیا ہے جو اس کامل الفن استاد کے شایان شان ہے۔ جو کسی بے نظیر ہیرے کو کسی زریں و مرصع تاج میں جڑ کر دونوں کی عزت و آبرو بڑھا دیتا ہے۔ موقع عظیم الشان تھا مسئلہ عمل پیچیدہ مگر عظیم تر تھا۔ لیکن اس کا حل عظیم ترین تھا۔ اب کسی کی مجال ہے کہ یہ کہہ سکے کہ گیتا کا نگینہ مہابھارت کی انگشتری میں جمالیاتی حیثیت سے بے محل ہے۔

۳۔ طرز انشاء

محققین کی رائے ہے کہ گیتا ایک باقاعدہ نظم ہے اور اس قسم کی کتاب ہے جیسے قدیم اپنشدیں، طرز بیان سادہ ہے، مرکبات کا استعمال بہت کم ہے اسلوب انشا سادہ اور فطری ہے۔ صنعت تجنیس کی کوشش اور مرکبات کا استعمال (جیسا کہ کالی داس اور بانا وغیرہ نے کیا ہے) اس نظم میں نہیں پایا جاتا سنسکرت کے کلاسکل لٹریچر میں وزن کی پابندی نہایت سختی سے کی گئی ہے۔ لیکن گیتا اور اس سے قدیم تصنیفات میں یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ اکثر اشعار کھینچ تان کر بھی مقررہ بحر میں نہیں آتے۔

گیتا میں جو ذاتوں کا بیان ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ادارہ بھی ہنوز ابتدائی حالت میں تھا۔ اور جس طرح منو نے مختلف ذاتوں کے فرائض بتائے ہیں وہ بات گیتا میں نہیں پائی جاتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گیتا نہایت قدیم تصنیف ہے اور اس زمانہ میں ذاتیں موروثی نہ تھیں۔

۴۔ گیتا اور ذاتیں

برہمنوں کا جو درجہ سماج میں ہے کیا گیتا اُس کی تائید کرتی ہے؟ اس سوال کا جواب خود گیتا میں یہ ہے کہ "قربانی، صدقہ وخیرات اور زہد کو ترک نہ کرنا چاہیئے" (۵/۱۸) جن تین فرائض کا اس شعر میں ذکر ہے۔ وہ تینوں ذاتوں یعنی چھتری، ویش اور شودر میں سے کسی ایک تک محدود نہیں ہیں۔ البتہ قربانی مخصوص طور پر برہمنوں کا فرض ہے لیکن خود گیتا سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ مختلف قسم کی قربانیوں کو ۲۵/۴ سے ۳۲/۴ تک بتایا گیا ہے ممکن ہے کہ ویدوں کی تعلیم کے مطابق قربانی صرف برہمنوں تک محدود کر دی گئی ہو۔ لیکن معرفت الٰہی بھگتی اور ضبط نفس سے دوسری ذاتوں کو نہیں روکا گیا۔ موروثی ذات پات کی گیتا نے سختی سے ممانعت کی ہے اور کہا ہے کہ چار قسم کے انسان اپنے ذاتی خصوصیات اور اپنے اعمال سے پہچانے جاتے ہیں۔ بعض فطرتاً نیکی کی طرف مائل ہوتے ہیں، بعض جوش وحرکت کو پسند کرتے ہیں اور بعض سستی کاہلی اور بے عملی کو اس طرح ہر ایک انسان اپنی ذاتی صفات کے لحاظ سے یا تو سپاہی ہوگا یا عالم صوفی یا تاجر ہوگا یا ادنیٰ خدمتگار، بہرحال یہ کہا گیا ہے کہ جس جماعت سے بھی تم متعلق ہو تمہارا فرض ہے کہ اُسی جماعت کا فرض انجام دو۔ یہ نہ کرو کہ ہو تو تم سپاہی مگر خواہ مخواہ فلاسفہ اور حکما کی صحبت میں دخل در معقولات کرو اور اپنا کام چھوڑ بیٹھو۔ اور

سوسائٹی میں رخنہ اور بدنظمی پیدا کرنے کا باعث ہو۔

۵- گیتا اور وید

گیتا میں بعض اشعار ایسے ہیں جن کے معنی یہ معلوم ہوتے ہیں۔ کہ وہ ویدوں کی تعلیم کے خلاف ہیں مثلاً ۲/۴۵، ۲/۴۶، ۲/۵۲، ۹/۱۷، ۹/۲۱، ۸/۲۸، ۱۱/۴۸-۵۳، ۱۵/۱ میں تین خیالات کا اظہار کیا گیا ہے:-

(۱) ویدوں کے حقیقی مفہوم کو اکثر فراموش کر دیا جاتا ہے۔ اور عوام ویدوں کے صحیح معنی نہیں سمجھتے۔

(۲) بعض لوگ اپنی کج فہمی سے یہ سمجھتے ہیں کہ ویدوں سے واجب الوجود کا علم نہیں ہوتا اور:

(۳) بعض کا یہ خیال ہے کہ وید فانی لذات کی تعلیم دیتے ہیں۔

ان سب خیالات کا یہ منشا ہے کہ ویدوں کا سطحی مطالعہ کرنا بے سود ہے گہرے مطالعہ سے علم حاصل ہوتا ہے۔ جس سے مدارج تصوف و عرفان طے ہو سکتے ہیں لیکن وہ لوگ جو صرف الفاظ کو پڑھ کر اُس کی تہ تک نہیں پہنچتے ان کو چاہیئے کہ وہ گیتا کو پڑھیں۔ اس لئے کہ اُس میں ویدوں کی تعلیم کا عطر ہے۔ اور عام فہم طریقہ سے اُس تعلیم کو بھی جمع کر دیا گیا ہے جو فلسفۂ ویدانت۔ سانکھ اور یوگ سے متعلق ہے حقیقت یہ ہے اس میں ویدوں سے انحراف کی تعلیم نہیں دی گئی بلکہ اُس زمانہ میں ہندوستان کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ مذاہب فلسفہ کی بے شمار شاخیں ہو گئی تھیں اور ہندو سوسائٹی میں بُدھ مذہب اور دہریوں (لوکاتیک) کے اُصولوں کی ترویج کی وجہ سے حقیقی ویدک تعلیم سے عوام دور ہوتے جاتے تھے۔ گیتا کا خود قول ہے کہ جب ادھرم ترقی پر ہوتا ہے۔ اور دھرم مٹنے

لگتا ہے۔ تو خدا اپنے اوتاروں (یا پیغمبروں) کے ذریعہ سے انسانوں کی حالت درست کرتا ہے۔ اس لئے ہمیں یہ ماننا پڑے گا۔ کہ ویدوں کی تعلیم ایک خاص زمانہ تک درست تھی، لیکن جب سوسائٹی میں بے عملی اور بے دینی پیدا ہوگئی تو گیتا کے ذریعہ سے خدائی مذہب یا فطری مذہب کی تعلیم دُنیا والوں کو دی گئی۔ اور ویدوں کی تعلیم سے بلند یا کم از کم ترقی یافتہ سوسائٹی کے اعتبار سے زیادہ واضح معقول اور صحیح تعلیم کا لب لباب بھگوت گیتا میں ہے ویدوں کے زمانہ میں ہندوستان کے باشندے ابتدائی دور تمدن میں تھے اور اُن کے مختلف ادارے درجۂ کمال کو نہ پہنچے تھے۔ اُن کی زندگی بھی جنگ و جدل کی وجہ سے ایک کشمکش کی حالت میں تھی لیکن جب وہ فاتح کی حیثیت سے ہندوستان کے زرخیز خطوں پر قابض ہو گئے اور امن و امان کے لازمی نتیجہ یعنی فلسفہ نے عوام کی فرصت کی زندگی پر قبضہ کر لیا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ عوام کے خیالات میں پریشانی اور مذہب میں انتشار پیدا ہوگیا۔ گیتا ان کی اصلاح کے لئے وہ مذہبی اور اخلاقی تعلیم ہے جو سری کرشن اور ارجن کے مکالمہ میں موجود ہے۔

۶۔ گیتا اور نجات

تناسخ سے نجات حاصل کرنے کا جو طریقہ گیتا نے بتایا اُس کے تین پہلو ہیں:۔

اوّل بذریعہ عمل (کرم) دوم بذریعۂ عرفان (گیان) اور سوم بذریعہ عشق حقیقی (بھگتی)، اِن کا گیتا میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ ایک پہلو عنایت مرشد (گرو کرپا) بھی ہے۔ اس کے لئے گیتا میں صرف اشارات ہیں۔

تفصیل نہیں ہے سری یامُن اچاریہ (المتوفی ۹۱۶ھ) سری رامانج کے مرشد تھے۔ اُنھوں نے مندرجہ ذیل طریقہ پر نجات حاصل کرنے کے طریقوں کی تصریح کی ہے:۔

(۱) عمل (کرم) کے ذریعہ سے نجات حاصل کرنے کے لئے ایسے اعمال کی ضرورت ہے جیسے قربانی (مال، وقت اور قوت کی) خیرات، ریاضت عبادت، تیرتھ جاترا، معمولی ریاضتیں، روزے، ندی اشنان مقدس عہد اکل حلال، مقدس کتابوں کا پڑھنا، مقدس دعوت طعام۔ صدقہ و خیرات وغیرہ۔

(۲) عرفان کے ذریعہ سے نجات کا یہ ذریعہ ہے کہ نفس و حواس کو زیر کر لیا جائے اور علم روحانی کے ذریعہ سے معرفت الہٰی حاصل کی جائے۔ اور اتنی ترقی کی جائے کہ آتما (نفس انسانی) پرماتما (روح اعظم) یا برہم کا مراقبہ عرصہ دراز تک کر سکے۔

(۳) عشق حقیقی (بھگتی) کے ذریعہ سے نجات حاصل کرنے کا یہ راستہ ہے کہ خدا کا خیال ہر وقت دل میں رہے۔ اُس کی عبادت کی جائے۔ اُس کی حمد کے بھجن فضا کو معمور کر دیں اور پھولوں کے ہار اُس کے سامنے پیش کئے جائیں۔ گیتا کا یہ مقصد ہے کہ عشق حقیقی پیدا کیا جائے۔ سری کرشن جی نے اپنے آپ کو محبت کا دیوتا بتایا ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ خدا (آتما) تک پہنچنے کا بہترین اور یقینی ذریعہ عشق حقیقی (بھگتی) ہے۔ جب عشق ہوگا تو معرفت بھی حاصل کی جائے گی اور پھر جو عمل کیا جائے گا وہ بہترین عمل خیر ہوگا، غرضکہ حقیقی لگن اور علم کے ساتھ عمل خیر کی تعلیم ہی گیتا کی تعلیم ہے۔ محبت و معرفت ہر عمل کے لازمی پہلو ہیں۔ ان کے بغیر کوئی

بے لوث عمل نہیں ہو سکتا۔

گیتا کی تعلیم

سری کرشن جی کی زبان معرفت ترجمان سے جو تعلیم ارجن کو دی گئی ہے وہ دُنیا کے لئے ایک پیغام عمل ہے اسے یوگ کہتے ہیں۔ یوگ کے لغوی معنی وصال کے ہیں۔ یعنی روح کا ذات الٰہی سے واصل ہو جانا یوگ ہے بھگوت گیتا کا مقصد وحید یہ ہے کہ انسان تربیت نفس کرنے کے بعد بالآخر ذات صمدی سے واصل ہو جائے۔ اور اس طرح تناسخ سے نجات حاصل کر کے فراغت کاملہ حاصل کرے۔ یہ فراغت جب ہی حاصل ہو سکتی ہے جب کہ انسان گیتا کے بتائے ہوئے طریقہ پر عملی زندگی اس طرح بسر کرے کہ اپنے فرائض کو پورے طور پر انجام دے۔ اور نتائج کی ذرہ برابر پروا نہ کرے۔ یعنی جو کام کرے اس میں خودی کا شائبہ بھی نہ ہو۔ اور ایثار ہی ایثار ہو۔ یہ حالت صرف عشق حقیقی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

۱۔ فلسفۂ ہنود کے بنیادی اُصول

گیتا میں اور عام طور پر مذہب ہنود میں نجات کا مخصوص مفہوم یہ ہے کہ دُنیا میں بار بار پیدا ہونے سے نجات حاصل کرنا ہی نجات کامل ہے۔ اس خیال کی بنیاد فلسفہ کے دو اُصولوں پر ہے۔ اوّل تناسخ اور دوم کرم۔ عقیدہ تناسخ یہ ہے کہ جملہ روحیں خدا کی ذات سے خارج ہوئی ہیں، یہ شرارے

ہیں جو مرکزی آتشکدہ سے خارج ہو کر مختلف قالبوں میں پھیل گئے ہیں۔ یہ قطرے ہیں جو دریائے وحدت سے نکل کر کثرت کا جلوہ دکھا رہے ہیں۔ اسی طرح یہ روحیں اپنے مرکز حقیقی سے دور ہو کر مسلسل قالبوں کو بدلتی رہتی ہیں۔ حتیٰ کہ جانوروں، پودوں اور درختوں کی صورت میں بھی ظاہر ہوتی رہتی ہیں یہ دور پیدائش اُس وقت تک جاری رہتا ہے۔ جب تک کہ روح کو کوئی ایسا ذریعہ نہ مل جائے کہ وہ دوبارہ پیدا ہونے کی مصیبت سے نجات حاصل کرے۔ دورِ تناسخ سے چھوٹنے کے بعد روح کا وصال ذات باری تعالیٰ سے ہو جاتا ہے۔ اسی کا نام نجات یا فراغت ہے۔

مسلمانوں میں تناسخ کا عقیدہ نہیں ہے لیکن خلیفہ مطیع بن مقتدر کے زمانہ میں ۳۴۳ھ میں ایک قوم حلولیہ ظاہر ہوئی تھی اور ایک شخص نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ حضرت علی کی روح مجھ میں حلول کر آئی ہے اور اس کی عورت نے دعویٰ کیا تھا کہ بی بی فاطمہؓ کی روح مجھ میں حلول کر آئی ہے۔ اسی طرح ایک اور شخص جبریل بن گیا تھا۔ لیکن جب مار پڑی تو یہ تاویل کی کہ ہم سید ہیں۔ معزالدولہ نے ان کو چھوڑ دیا۔

مولانائے روم کا یہ شعر بہت مشہور ہے جس سے تناسخ ثابت کیا جاتا ہے۔ یعنی ؎

ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ اَم
ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ اَم

مسلمانوں سے پہلے بھی یونانیوں کے فلسفہ میں تناسخ کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔ اور علامہ شمس الدین شیرازی نے فلسفہ یونان کے تناسخ کو باطل کرنے کی بہت کچھ کوشش کی ہے لیکن ویدانت کے تناسخ کے سمجھنے میں یہ

دقت ہے کہ فلسفہ ویدانت کی رو سے عمل کے لحاظ سے جسم ملتا ہے لیکن جب سب سے پہلے جاندار کو جسم عطا کیا گیا تو وہ کس عمل کے صلہ میں ملا۔ اس لئے کہ بغیر جسم کے روح کوئی عمل کرنے کے قابل نہیں تھی یعنی عالم بے عملی میں تھی۔ پھر یہ سلسلۂ تناسخ شروع ہوا تو کیوں کر اس کا جواب ذرا مشکل ہے بہرحال یہ ماننا پڑے گا، کہ تناسخ کا عقیدہ نہ صرف ہندوؤں میں بلکہ قدیم یونان اور موجودہ زمانہ کی بعض اقوام میں پایا جاتا ہے۔ اور مولانا نے بھی جمادات سے انسان اور انسان سے بتدریج اُس ذات تک جو وہم میں نہیں آسکتی۔ ترقی کے درجے اس طرح بتائے ہیں ؎

از جمادی مردم و نامی شدم ۔۔۔ وز نما مردم بہ حیواں سرزدم
مردم از حیوانی و آدم شدم ۔۔۔ پس چہ ترسم کے زمردن کم شوم
حملۂ دیگر بمیرم از بشر ۔۔۔ تا برآرم از ملائک بال و پر
از ملک ہم بایدم جستن زجو ۔۔۔ کُلُّ شَیْءٍ ہالِکٌ اِلَّا وَجْہَہٗ
بار دیگر از ملک قربان شوم ۔۔۔ آنچہ در وہم نیاید آں شوم

پس عدم گردم عدم چوں ارغنون
گویدم کانا الیہ راجعون

تناسخ کا عقیدہ نتیجہ ہے کرم کے عقیدے کا۔ کرم کے لغوی معنی عمل کے ہیں، لیکن اصطلاح میں وہ اعمال ہیں، جو گذشتہ زندگی کے اعمال کی جزا یا سزا میں موجودہ زندگی میں روح کو کرنے پڑتے ہیں۔ ہر عمل صالح روح کو اس دنیا سے آزادی کی طرف لے جاتا ہے۔ اور ہر ایک برائی روح کو اس دنیا سے اور زیادہ وابستہ کرتی ہے جس کا لازمی نتیجہ مسلسل پیدا ہونا ہے۔
کرم کا عقیدہ غالباً اس لئے پیدا ہوا تھا کہ خدا کو عادل ثابت کیا جائے

مخلوقات کی عدم مساوات اور بظاہر غیر منصفانہ تقسیم کو جائز اور منصفانہ ثابت کرنے کے لئے ضروری تھا کہ یہ مان لیا جائے کہ جو مخلوق اس دنیا میں مصیبت زدہ اور ذلیل ہے۔ وہ ان بداعمالیوں کی سزا میں ہے جو اُس سے گذشتہ زندگی میں سرزد ہوئے تھے۔ اس سوال کا جواب کہ کارکنان قضا وقدر نے کسی کو شاہ، کسی کو گدا، کسی کو تندرست، کسی کو بیمار، کسی کو قبول صورت کسی کو کریہہ المنظر کیوں بنایا، عقیدۂ کرم سے مل سکتا ہے۔ یعنی جس کی جو حالت ہے وہ اُس کی گذشتہ زندگی کا نتیجہ ہے۔

بہرحال ان دونوں عقائد کا ہندو سماج، اخلاق، مذہب اور فلسفہ پر گہرا اثر پڑا۔ ان ہی اُصولوں کی وجہ سے ذاتیں موروثی ہوگئیں اور ان پر سختی سے قیام کرنا لازمی ہوگیا۔ یعنی کسی ذات میں پیدا ہونا گذشتہ زندگی کی جزا یا سزا ہے اس لئے اس کا پابند رہنا ضروری ہے۔ اسی بنیاد پر جانوروں سے بھی ہمدردی شروع ہوگئی۔ یہی اصول ادائے فرض کے بھی محرک ہوئے اور حق کے لئے جان دینا نہایت آسان ہوگیا۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ جب یہ یقین ہو کہ آئندہ زندگی موجودہ زندگی سے بہتر ہوگی تو کون ایسا بُزدل ہوگا جو حق کے لئے جان دینے سے گریز کرے۔

کرم کے عقیدے کا خاص طور پر جو برا اثر پڑا وہ یہ ہے کہ بیواؤں کی دوبارہ شادی کو بُرا سمجھا جانے لگا۔ اس لئے کہ بیوہ ہونا بھی گذشتہ زندگی کے اعمال کی سزا سمجھی گئی۔ اور لاکھوں بیواؤں کو مردوں کی زبردستی اور تنگ نظری کی وجہ سے اپنی تلخ اور بے کیف زندگی پر قناعت کرنا پڑی۔ لیکن موجودہ زمانہ میں ایسے مصلحان قوم پیدا ہوگئے ہیں جو اس کو بُرا سمجھتے ہیں اور اس کی اصلاح کر رہے ہیں، جو زیادہ قرین انصاف و عقل ہے۔

کتنے تعجب کی بات ہے کہ جو فیصلہ بیواؤں کے لئے کیا جاتا ہے۔ وہ مردوں کے لئے نہیں کیا جاتا۔ یعنی جب کسی مرد کی عورت مر جائے تو اُسے بن بیاہا رہنے پر کیوں نہ مجبور کیا جائے۔

۲۔ ویدانت

اگر آپ ہندو فلسفہ کا بلند ترین تخیل دیکھنا چاہیں۔ تو بلاشبہ فلسفہ ویدانت میں نظر آئے گا۔ گیتا اسی فلسفہ کی تفسیر ہے۔ فلسفہ ویدانت اُدوُیت یا وحدتِ وجود کی تعلیم دیتا ہے اسے اترمانس بھی کہتے ہیں اور اس کا بانی ویاس جی کو بتایا جاتا ہے۔ گو یہ نظام فلسفہ، عقل پر مبنی ہے لیکن اس کا ماخذ ویدوں کو بتایا جاتا ہے۔ تَتْ توَم اَسی یعنی "تو" (یا میری روح) اور وہ "یا (ذات خداوندی) ہے، بہ الفاظ دیگر روح اور خدا ایک ہی ہیں دو نہیں۔ اور محدود روح جب فریب ہستی (مایا) سے نجات حاصل کر لیتی ہے تو وہ خدا (برہم) میں داخل ہو جاتی ہے۔ اور تناسخ سے نجات حاصل کر لیتی ہے۔

اس کے مخصوص عقائد یہ ہیں کہ۔ خدا حاکم مطلق اور خالقِ عالم ہے انفرادی روحیں اُسی کل کا ایک جزو ہیں۔ اور اُس سے خارج ہو کر پھر اُسی میں داخل ہوتی رہتی ہیں۔ اور چونکہ روح خدا کا ایک جز ہے اس لئے غیر محدود، لافانی، صاحب شعور اور حقیقی ہے۔ یہ عمل کر سکتی ہے حالانکہ اس کی فطری حالت سکون ہے۔ بخلاف اس کے پراکرتی (قدرت) غیر حقیقی ہے اور محض دھوکا ہے۔ برہم روح ہے۔ جسے معرفت برہم حاصل ہے وہ خود برہم ہے۔

یہ نظام فلسفہ بخلاف دیگر مذاہب فلسفۂ ہنود کے مادہ کی ازلیت کا قائل نہیں ہے۔ اس کی دو شاخیں ہیں۔ ایک کہتا ہے، کہ خدا نے اپنے جوہر سے دُنیا کو پیدا کیا ہے۔ دوسرے کا قول ہے کہ جتنی چیزیں ہیں سب خدا ہی میں ہیں۔ اور سوائے اس کے کوئی موجود نہیں ہے۔ یعنی اول الذکر کا عقیدہ "ہمہ از وست" ہے اور آخر الذکر کا مسلک "ہمہ اوست" ہے۔ پہلے عقیدہ کے متعلق برہم (خدا) اور جیو (روح) دو الگ الگ چیزیں ہیں اور جیو کا فرض ہے کہ برہم کی عبادت کرے۔ دوسرے عقیدہ سے کے مطابق جیو آتما اور پرماتما میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یعنی روح انسانی مخلوق نہیں ہے۔ بلکہ اپنی خدائی اصلیت سے ناواقف ہے اس لئے زمان و مکان میں محدود ہے صرف اسی ہستی ہی کو جان لینا نجات ہے۔

اس فلسفہ کو ویدانت کہتے ہیں۔ اس کی بہترین شرح شنکر اچاری نے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ عالم نیست ہست نما ہے۔ ہم اپنی کوتاہ فہمی سے اسے ہست سمجھتے ہیں۔ جس نے اپنی ہستی کو جان لیا وہ اس فریب ہستی سے چھوٹ گیا اسی کا نام نجات یا وصال الہیٰ ہے۔ اسی مسئلہ کو حدیث شریف میں مَن عَرَفَ نفسہ فقد عرف ربّہ (جس نے اپنے نفس کو پہچانا اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا) کہا ہے۔ اور قرآن کریم میں بھی ارشاد ہے۔ وفی انفسکم افلا تبصرون (اور تمھارے نفسوں ہی میں ہے کیا تم نہیں دیکھتے)

غالب نے کیا خوب کہا ہے ؎

ہاں کھائیو مت فریب ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے۔ نہیں ہے

اور مولانا فرماتے ہیں ؎

این جہاں دام است و دانش آرزو
در گریز از دام ہائے آرزو
(مثنوی دفتر ششم)

لیکن یہاں وہی شبہ پیدا ہوتا ہے۔ جو رام چندر جی نے اپنے استاد وشسٹھ سے کیا تھا یعنی جب برہم سے جیو جدا نہیں تو جیو (روح) نے اپنے آپ کو خدا سے جدا کیوں تصور کر لیا

۳۔ سانکھ اور یوگ

علاوہ ویدانت کے فلسفہ سانکھ اور یوگ کے اصول بھی گیتا میں بیان کئے گئے ہیں۔ اسی سلسلہ میں ترے گن یا صفات ثلاثہ کا ذکر ہے (یعنی ستو گن روشنی۔ رجو گن۔ جوش۔ اور تموگن تاریکی) جو قدرت کی تین مخصوص صفات ہیں اور ان صفات سے آٹھ ذہنی صفات ماخوذ ہیں جو اچھی بھی ہیں اور بری بھی۔ لیکن گو نظام سانکھ کا بانی کپل شخص خدا کا منکر ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ قدرت غیر شعوری طور پر عمل کرتی رہتی ہے۔ روح کو اس سے فوائد حاصل ہوتے رہتے ہیں اور یہ ارتقائے عالم خود بخود جاری ہے تاہم اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ جذبات مسرت و الم قدرت کی غلامی کا نتیجہ ہیں۔ اور روح ان سے آزاد ہونا چاہتی ہے۔ اور علم کے ذریعہ سے نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ اسی لئے بھگوت گیتا کے مصنف نے فلسفۂ سانکھ کے عمدہ اصولوں "خذ ما صفا" کے قاعدہ سے لے لیا ہے۔ لیکن پاتنجلی (جو یوگ کا بانی) روح اعظم یعنی خدا کا قائل ہے۔ اور علاوہ مراقبہ کے (جو فلسفۂ سانکھ میں بھی ذریعۂ نجات ہے) اس کا قول ہے بھگتی یا عشق حقیقی سے بھی نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ طریقہ اُن لوگوں کے لئے بتایا گیا ہے۔ جو علوم و فنون کی باریکیوں سے نابلد ہیں۔

مثلاً کسان، مزدور، عورتیں اور شودر وغیرہ یا تنجلی نے بالتفصیل اُن حیاتی اور دماغی ورزشوں کا بھی حال لکھا ہے۔ جو اب تک یوگیوں اور صوفیوں کے ایک گروہ میں رائج ہیں۔

غرضکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ گیتا کا فلسفہ ویدانت سانکھ اور یوگ کا نچوڑ ہے اور اس میں سب کی خوبیاں موجود ہیں؛ جو بےلوثی سے عمل کرنے اور عشقِ الٰہی کی تعلیم دیتی ہیں۔

۴۔ تصوفِ اسلام

تصوّف اسلام میں توحید کے مختلف مدارج ہیں مثلاً ایمانی، علمی اور حالی توحیدِ الٰہی اور اہلِ توحید کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ مثلاً وجودی، شہودی اور محقق ان میں سے وجودی اور شہودی ویدانت کی دو شاخوں سے بالکل ملتے جلتے ہیں۔ مثلاً وجودی وہ ہیں جو وحدت وجود کے قائل ہیں یعنی توحید ذاتی کو مانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ دُنیا میں جتنی ذاتیں نظر آتی ہیں۔ وہ سب ایک ہی ہیں۔ سوائے خدا کے کوئی دوسری چیز موجود نہیں ہے۔ صورت میں فرق ہے۔ مگر حقیقت سب کی ایک ہی ہے یعنی ہمہ اوست کے قائل ہیں۔ اس حالت میں سالک کا نور خداوندی نور کے عالم افروز جلوہ میں پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ اور شاہد و مشہود کی دوئی اُٹھ جاتی ہے۔ یہ فرقہ اپنے مسلک کے ثبوت میں قرآن کی یہ آیت پیش کرتا ہے " ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ" (اے رسول جنھوں نے تیری بیعت کی انھوں نے اللہ کی بیعت کی) یا "(وما رمیت اذ رمیت ولاکن اللہ رمیٰ) یعنی اے محمدؐ وہ خاک جو تو نے کفار کی طرف پھینکی ہے۔ وہ باوجود پھینکنے کے تو نے نہیں پھینکی بلکہ

اللہ نے پھینکی ہے

دوسرا عقیدہ وحدت شہود کا ہے۔ یہ توحید علمی کا نتیجہ ہے۔ یعنی بندہ یہ یقین کرے کہ موجود حقیقی صرف ذات باری ہے۔ انسان کی آنکھوں سے بعض حجاب دور ہو جاتے ہیں۔ اور وہ یقین کر لیتا ہے کہ ہر جگہ خدا ہی کا جلوہ ہے۔ "ہو معکم اینما کنتم" یعنی قرآن کہتا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ ہے خواہ تم کہیں بھی ہو۔ چونکہ عشق غالب ہوتا ہے اس لئے ہر جگہ خدا ہی خدا نظر آتا ہے۔ لیکن سالک میں یہ احساس باقی رہتا ہے۔ کہ خدا اور بندہ الگ الگ ہے اسے ہمہ از دست بھی کہتے ہیں اور اسے توحید فعلی سے متعلق ہونا جانتے ہیں۔ یعنی خدا کے سوا کوئی فاعل نہیں ہے۔ وہ مختار و قادر مطلق ہے اور سب مجبور ہیں۔

۵۔ گیتا اور جنگ

بعض لوگوں کا خیال ہے گیتا میں جو کوروؤں اور پانڈوؤں کی جنگ دکھائی گئی ہے۔ وہ محض تمثیلی حیثیت رکھتی ہے اور حقیقت میں یہ انسان کے اندرونی جذبات کی کشمکش کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تاریخی ارجن اور تاریخی کرشن ضرور تھے مگر گیتا میں جس کرشن کا ذکر ہے وہ تاریخی کرشن نہیں ہیں بلکہ اُن کے پردہ میں مکمل کرشن کی تصویر کھینچی گئی ہے یعنی گیتا جنگ کی تعلیم نہیں دیتی۔ محمد عزیز اللہ صاحب حسینی نے ۱۹۰۸ء کے دکن ریویو میں بھی یہی لکھا ہے کہ

"اس سے پہلے بھی ہٹھ یوگ کے مذاق پر ایک شرح لکھی جا چکی ہے جس میں یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ کوروؤں اور پانڈوؤں میں جو لڑائی ہوئی تھی۔ اس میں کوروؤں کا بادشاہ اندھا تھا اور اپنے رتھ بان سے اس قصہ کو سنتا تھا۔ یہاں بادشاہ سے مراد دل ہے۔ جو حقیقت میں اندھا ہے۔ اور رتھ بان حواس ہیں جن کے

بغیر دل کچھ نہیں کر سکتا۔"

غرضکہ اسی قسم کے مفروضات سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ انسان کے نیک و بد جذبات کی جنگ کے علاوہ ور کسی جنگ کا تذکرہ گیتا میں نہ سمجھنا چاہیے۔ اور اس اندرونی جنگ میں ہر انسان کو ارجن کی طرح بُرے جذبات کو قتل کر ڈالنا چاہیئے تاکہ کامل سکون اور وصال الٰہی حاصل ہو۔

لیکن میری ناچیز رائے میں گیتا سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں ہے۔ اس لیئے کہ:۔

(۱) مصنف نے مہابھارت کی تاریخی جنگ کو بطور نمونہ کے سامنے رکھا ہے۔ اگر وہ قتل وخون ریزی کو بُرا سمجھتا۔ اگر ایذا رسانی کو غیر ضروری جانتا اور اگر اس کا مذہب ہندو نہ ہوتا بلکہ بُدھ یا جین مذہب کی طرح جان لینے کو ایذا رسانی سمجھتا۔ تو ممکن تھا کہ وہ کسی اور چیز کو نمونہ بناتا۔ بلکہ سرے سے مہابھارت ہی کو ناجائز قرار دیتا۔

(۲) دوسری عجیب تر چیز یہ ہے کہ اگر یہ اندرونی جذبات کی کش مکش کا نتیجہ ہوتا تو مصنف کا یہ ظاہر کرنا کہ ارجن اپنے بُرے جذبات کو بُرا نہیں سمجھتا تھا بلکہ اُنھیں قائم رکھنا چاہتا تھا۔ حتیٰ کہ اس پر بھی تیار تھا کہ ان بُرائیوں کی پیروی میں ساری زندگی ختم کر دے اور بھیک مانگ کر زندگی بسر کرے۔ کچھ موزوں نہیں معلوم ہوتا۔ بدترین شرابی اور چور بھی شراب اور چوری کو بُرا سمجھتا ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ ارجن اپنے بُرے جذبات کو اچھا سمجھتا۔ کم از کم یہی کہہ دیتا کہ یہ جذبات بُرے تو ضرور ہیں لیکن مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ ان پر فتح حاصل کر دوں۔ لیکن واقعہ یہ نہیں ہے۔ درحقیقت اس کتاب میں اندرونی جذبات کی کش مکش نہیں۔ بلکہ معمولی جنگ دکھائی

گئی ہے اور یہ کتاب تمثیل نہیں ہے۔ بلکہ مہابھارت کو نمونہ کے طور پر پیش کرتی ہے اور ہر شخص کو ایسی لڑائی کے لئے دعوت دیتی ہے۔ جو حق کے لئے ہو۔

مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ گیتا میں شروع سے اخیر تک ارجن کو یہ بتایا گیا ہے کہ جنگ کرو۔ اس لئے کہ یہ تمہارا فرض ہے۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو دنیا بھر میں رسوا اور ذلیل ہو جاؤ گے۔ ارجن کہتے ہیں کہ بھائی بندوں کو قتل کر کے جو سلطنت حاصل ہوگی اُس سے تو بھیک مانگنا بہتر ہے۔

سری کرشن جی فرماتے ہیں، کہ نہ کوئی مارنے والا ہے، نہ مرنے والا ہے جو کچھ کارکنان قضا و قدر نے طے کر دیا ہے " وہی ہوگا۔ اور انسان مجبور محض ہے جو کچھ خدا کرتا ہے وہی وہ کرتا ہے۔ حتیٰ کہ تو خود اپنی فطرت سے مجبور ہو کر وہی کرے گا، جو ہونے والا ہے۔ آتما نہ مرتی ہے نہ مارتی ہے۔ اس لئے کھڑا ہو۔ اور جنگ کر۔

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حق کے لئے جنگ کرنا نہ صرف اچھی چیز ہے، بلکہ فرض ہے۔ غور فرمائیے کہ کچھ ظالم جمع ہو کر ڈکیتی اور قتل کے درپے ہوں۔ عورتوں کو بے آبرو کرنا چاہیں اور دیگر مظالم پر آمادہ ہوں تو ایسی صورت میں مدافعت کرنا نہ صرف مستحسن ہے بلکہ فرض ہے۔ ارجن کو دھوکا دے کر اُس کا حق چھین کر سلطنت اور تاج و تخت سے محروم کر دینا کوئی اچھی بات نہ تھی۔ اس پر طرہ یہ کہ معمولی گزارہ دینے پر بھی کورو تیار نہ تھے۔ لیکن سب سے زیادہ قابل نفرت اور ذلیل حرکت یہ تھی کہ کوروں نے دروپدی کو بر سر دربار ذلیل و رسوا کیا ایسی صورت میں عزت اور دھرم کی حفاظت کرنا اور غاصبوں سے ملک اور قوم کو نجات دلوانا پانڈوں کا فرض تھا۔ سری کرشن جی نے جو تعلیم دی تھی اُسکا

مقصد بھی یہی ہے کہ اگر دھرم کے لئے بے لوث ہوکر۔ ثمرہ عمل کی پرواہ نہ کرکے اپنی
ذاتی اغراض کو چھوڑ کر حتیٰ کہ یہ بھی پرواہ نہ کرکے کہ فتح ہوگی یا شکست تخت ملے گا
یا تختہ اتنے ایثار اور بے نفسی کے ساتھ جو شخص میدان کارزار میں اپنا فرض انجام
دے وہی سچا بہادر دھرمی اور باعزت انسان ہے۔ انھوں نے تو یہ تعلیم تک
دی کہ ماں، باپ، بھائی بند، دوست اور گرو۔ غرضکہ عزیز ترین اور قریب ترین
ہستیوں کی بھی پرواہ نہ کی جائے اور ضرورت پڑے تو خود اپنے ہاتھ سے اُنھیں
قتل کر دیا جائے لیکن حق کو نہ چھوڑا جائے۔ اور ذاتی اغراض سے پاک
ہوکے یہ بھی نہ پروا ہو کہ نتیجہ کیا ہوگا اور کیا نہ ہوگا۔

اتنی زبردست اخلاقی تعلیم۔ اتنے بلند اور رفیع فلسفہ کو اگر محض یہ خیال
کرکے ترک کر دیا جائے کہ قتال یا جنگ سے ایذا رسانی ہوتی ہے۔ اس لئے
یہ قابل قبول نہیں ہے۔ یا اس کی تاویل اس طرح کی جائے کہ گیتا میں صرف
اندرونی جذبات کی کشمکش سری کرشن اور ارجن کے مکالمہ کے پیرایہ میں
دکھائی گئی ہے۔ تو میری ناچیز رائے میں یہ نتیجہ سراسر عقل اور تواریخ کے
خلاف ہوگا۔

اس کے بعد ذرا اس پر غور فرمائیے کہ گیتا کے قابل احترام مؤلف نے
مہابھارت کی جنگ کو بطور نصب العین کے اپنے سامنے رکھا ہے۔ وہ اس
لڑائی کو جس میں واقعی ایک انسان نے دوسرے انسان کا گلا کاٹا تھا اور جس میں
ہزارہا انسانوں کا خون بہہ گیا تھا۔ اور عرف عام میں بہتوں کو ایذا پہنچی تھی ایسی
جنگ کو بطور معیار حیات اور آئیڈیل کے پیش کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ کیا
اس کے یہ معنی نہیں کہ ویاس جی اور اس زمانہ کے فلسفی اس قسم کی جنگ کو اچھا
سمجھتے تھے

اور اس نمونہ پر عمل کریں۔ اگر ان سب باتوں سے آنکھیں بند کر لی جائیں اور واقعات کو واقعات کی طرح نہ دیکھا جائے تو شاید ممکن ہو کہ ہم جنگ اور حق کی جنگ کو جسے مسلمان "جہاد" اور ہندو دھرم یدھ کہتے ہیں برا سمجھنے لگیں۔

ایذا یا دکھ کیا ہے؟

اذیت یا دکھ کی تعریف کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ دکھ کیا ہے۔ اور یہ بھی جانتا ہے کہ دکھ سے افعال و حرکات میں سستی اور کمی ہوتی ہے۔ بخلاف اس کے راحت سے ان کی ترقی ہوتی ہے۔ اس نظریہ کو نہ صرف متقدمین نے مانا ہے، بلکہ آج کل کے ماہرین علم نفس بھی اس کے قائل ہیں (دیکھئے فلسفہ جذبات ریبو صفحہ ۸۲) اور ہر شخص یہ بھی جانتا ہے کہ ایذا رسانی کیا ہے مثلاً کسی کا مال چھین لینا۔ یا اس کا ہاتھ کاٹ ڈالنا یا کسی کو جھوٹی خبر مرگ سنانا یہ سب ایذا رسانی ہے۔

اس حقیقت سے تو کسی کو انکار ہو ہی نہیں سکتا کہ بلا وجہ اور بلا ضرورت کسی جاندار کو ایذا پہنچانا انصاف کے خلاف ہے۔ اور جو چیز انصاف کے خلاف ہے وہ یقیناً بد اخلاقی سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اخلاقیات کے ماہرین جانتے ہیں۔ کوئی چیز فی نفسہ اچھی یا بری نہیں ہوتی، بلکہ فاعل کی نیت اور فعل کے نتیجہ پر اس فعل کی اچھائی یا برائی کا دار و مدار ہے۔ ہاتھ کاٹنا ایذا رسانی ہے۔ برا ہے اور اخلاقاً مذموم ہے یا نہیں۔ اس کا بھی وہی جواب ہوگا جو اس سوال کا ہوگا کہ قتل کرنا برا ہے یا نہیں۔

اگر ہاتھ کاٹنے سے کسی مریض کا مرض کم ہو سکتا ہے یا اس کی جان بچ سکتی ہے تو ڈاکٹر اور تیمار دار اخلاقاً ملزم نہیں بشرطیکہ انھوں نے خوش نیتی سے یہ فعل

کیا ہو۔ اسی طرح قتل کرنا یا اور اسی قسم کے افعال جو بظاہر تکلیف پہنچانے والے معلوم ہوتے ہیں۔ قطعی جائز ہیں بشرطیکہ نیک نیتی سے ایسے افعال کئے جائیں ایسی حالت میں گو کسی فردِ واحد یا جماعت کو بظاہر اذیت پہنچے گی لیکن اُس میں اُن ہی کا فائدہ ہوگا۔ یا اُن کے جزئی نقصان کے بدلے میں انسانیت کو بہت بڑا فائدہ ہوگا۔ اسی اُصول کے ماتحت دُنیا قائم ہے۔ ایک چیز کی فنا دوسری چیز کی بقا بن جاتی ہے۔ جمادات سے نباتات کو، نباتات سے حیوانات کو اس طرح فائدہ پہنچتا ہے کہ ایک چیز بظاہر مٹ جاتی ہے اور دوسری چیز کو زندگی بخشتی ہے۔ لیکن اگر نظرِ غائر سے دیکھا جائے تو یہ سلسلۂ حیات و ممات صرف سطحی ہے اور واقعتاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز جسے ہم مُردہ سمجھتے ہیں وہ قدرت کے کارخانہ میں ایک خاص حیات کا درجہ رکھتی ہے۔ اور ہر لمحہ بلند تر زندگی کی طرف جا رہی ہے۔

جب ہم موجودات پر اس حیثیت سے نظر ڈالیں کہ جزئیات کو چھوڑ دیں اور کل ہماری نظر میں ہو۔ وحدتِ کائنات کو پیشِ نظر رکھیں اور غور کریں تو دُکھ، سُکھ، اذیت، راحت، مسرت و الم یہ سب چیزیں عارضی حالتیں، یا گزرنے والی کیفیتیں معلوم ہوں گی اور حقیقی اور اصلی چیز اور آخری چیز صرف روح رہ جائے گی جو نہ مرتی ہے نہ مارتی ہے۔ یعنی جسم کا مرنا روح کا مرنا نہیں ہے۔ وہ تو اس ظاہری موت کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے بھی اگر ہم ایذا رسانی کے مسئلہ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ایذا رسانی کوئی چیز نہیں ہے۔ اور ایسی ایذا رسانی جو اخلاقاً ضروری ہو اور جس میں مخلوقات کا بھلا ہو تو وہ ایک معنی سے ایذا رسانی ہی نہیں بلکہ وہ تو راحت رسانی ہوتی ہے۔

لہذا ہم یہ کہیں تو بے جا نہ ہوگا کہ جسے عرف عام میں ایذا رسانی کہتے ہیں۔ وہ بعض اوقات اخلاقی حیثیت سے راحت رسانی ہے۔ اور اس طرح جائز ہی نہیں بلکہ فرض ہے کہ اس طرح کی ایذا رسانی کی جائے لیکن وہ ایذا رسانی جس کی بنیاد ظلم پر ہو یقیناً قابل نفرت و ملامت ہے۔
البتہ یہ ضروری ہے کہ ایذا کو کم کرنے کے لئے ایک ماہر ڈاکٹر ہی یہ حکم دے سکتا ہے کہ آپریشن کیا جائے۔ ہر کس و ناکس کو اس کا حق نہیں ورنہ ظلم و عدوان شروع ہو جائے گا۔

عدم ایذا رسانی کا نتیجہ

اگر کوئی شخص عدم ایذا رسانی کے یہ معنی سمجھے کہ کسی حالت میں بھی کسی کو ایذا نہ پہنچائی جائے خواہ اس کی ضرورت ہی کیوں نہ ہو تو ایسی صورت میں اُس میں چند ایسی مذموم صفات پیدا ہو جائیں گی جو قدرت کے خلاف ہیں مثلاً وہ حد سے زیادہ رحم دل ہو جائے گا۔ جو بزدلی کے درجہ تک اُسے پہنچا دے گی۔ وہ اعمال کو قطعی ترک کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس لئے ہر ایک عمل میں کسی کو سُکھ یا کسی کو دُکھ پہنچنا ضروری ہے۔ عدم ایذا رسانی کا خیال گوتم بُدھ کے زمانہ میں زیادہ ترقی پر تھا۔ جس کا لازمی نتیجہ بے عملی اور کاہلی تھا۔ غالباً اس بے عملی کو عمل سے، سکون کو حرکت سے، بزدلی کو ہمت سے اور انفرادی اعمال کو اجتماعی اعمال سے تبدیل کرنے کے لئے گیتا کے عملی فلسفہ کی ضرورت ہوئی۔ تاکہ وہ حالت جو ملک کے نوجوانوں میں مہاتما بدھ کی تعلیم سے نہیں بلکہ اُن کے پیروؤں کی تعلیم سے پیدا ہو گئی تھی آزاد کیا جائے۔
جنھوں نے عدم ایذا رسانی کو درجہ اعتدال یا درجہ وسط سے گرا کر تفریط کے درجہ

پہ پہنچا دیا تھا۔ اور ملک میں بے عملی اور کاہلی کو ترقی دے دی تھی۔ اور اس میں اس قدر غلو ہو گیا تھا کہ جانور تو کیا، درختوں کی شاخوں کو توڑنا، زمین پہ چلنا اور سانس لینا بھی ہنسا ہو گیا تھا۔ یہ چیز نہ تو قوانین قدرت کے مطابق ہے نہ عامۃ الناس کو اس سے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اور نہ عدل و انصاف کے مطابق ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ گیتا کی تعلیم محبت کی تعلیم ہے اور جو شخص محبت والا دل رکھتا ہے وہ ہرگز کسی کو ایذا پہنچانا پسند نہ کرے گا۔ اسی کے ساتھ ساتھ گیتا کی تعلیم فطری تعلیم ہے۔ جس طرح محبت کا قانون ایک بنیادی اور عالمگیر قانون ہے اُسی طرح یہ بھی ایک عالمگیر قانون ہے کہ ہر جاندار کو اپنی فطرت کے مطابق اور قوانین قدرت کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہیئے اور اعتدال کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے بہ الفاظ دیگر اعمال و عبادات میں حد سے زیادہ بڑھ جانے کو گیتا نے صاف صاف بُرا کہا ہے۔ مثلاً سترھویں مکالمہ کے پانچویں اور چھٹے اشلوکوں کو ملاحظہ فرمائیے۔

"جو لوگ سخت ریاضتیں کرتے ہیں۔ جن کی اجازت الہامی کتاب میں نہیں ہے۔ وہ غرور و خودی میں مبتلا ہو کر اپنی خواہشات و جذبات سے مجبور ہیں۔" (۱۷/۵)

"جو بے عقل ہیں اور اُن عناصر کو ایذا پہنچاتے جن سے جسم مرکب ہے۔ حتیٰ کو مجھ کو بھی ایذا پہنچاتے ہیں جو اُن کے جسم میں جاگزیں ہوں ان کو اپنے ارادوں میں شیطانی سمجھ۔"

۶۔ بھگتی یا عشق حقیقی

گیتا کی تعلیم کا لب لباب کیا ہے۔ اور نجات کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کے متعلق گیتا نے تین طریقے بتائے ہیں۔ اوّل یہ کہ اعمال اس طرح کئے جائیں کہ ثمرۂ عمل کی خواہش نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ علم کے ذریعہ سے معرفت الٰہی حاصل کی جائے۔ تیسرے یہ کہ بھگتی یا عشق حقیقی کے ذریعہ سے نجات حاصل کی جائے۔ ان میں سے ہر ایک طریقہ کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہی بہترین طریقۂ نجات ہے۔ لیکن خود سری کرشن جی نے عشق حقیقی کو بلند ترین درجہ دیا ہے۔ نویں مکالمہ میں شاہی علم اور شاہی راز کا یوگ بتایا گیا ہے اس میں بھگتی کے نغمہ ہائے شیریں روح کو محبت کے پاکیزہ اور بے لوث بنا دینے والے سرور میں محو کر دیتے ہیں۔ محبت ہی ذریعۂ نجات ہے۔ اور محبت ہی ایسی چیز ہے جو اس دنیا میں بے لوث خدمت کرا سکتی ہے اور آدمی کو انسان بنا سکتی ہے۔ میرے خیال میں عشق حقیقی ہی وہ چیز ہے جس کے لئے گیتا نے مختلف طریقوں سے انسان کو راغب کرنے کی کوشش کی ہے۔ عدم ایذا رسانی کیا ہے؟ محبت کا دوسرا نام ہے۔ معرفت الٰہی کیا ہے۔ محبت ہی ہو سکتی ہے۔ عمل کرنا لیکن اس طرح کہ ثمرۂ عمل کی پرواہ نہ کی جائے۔ یہ چیز بھی سوائے محبت کے حاصل نہیں ہو سکتی، خودی، تکبر اور خود غرضی محبت ہی کی آگ میں جل کر فنا ہو سکتے ہیں۔ میں اس مضمون کو مندرجہ مشہور اشعار پر ختم کرتا ہوں۔ جو مولانائے رومی کے سچے جذبات کا نتیجہ ہیں:۔

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما

اے دوائے نخوت و ناموس ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما

عاشق صنع خدا با فر بُود   عاشق مصنوع آں کافر بود

اور حضرت واعظ فرماتے ہیں ؎

در خاطر شان ز خاص و ز عام
یکساں شدہ آفریں و دشنام
چوں نیک و بد از خدا اے دیدند
دو از ہمہ خلق در کشیدند

از قلم حقائق رقم

جناب حکیم حافظ مولانا محمد الفاروقی فاضل مصری

مسلمانوں کی تمدنی خصوصیت ہمیشہ یہی رہی ہے۔ کہ ان کی فاتحانہ نہمات مال ودولت سے زیادہ مفتوح قوموں کے علوم و فنون پر اپنا قبضہ کیا کرتی تھیں خود خلیفہ ثانیؓ کے دفاتر اجنبی کاتبوں سے محض اسی لئے معمور تھے کہ اجنبی علوم مسلمانوں میں منتقل ہوجائیں۔ بنو اُمیہ باوجود انتہائی عصبیت کے اپنے درباروں کو اجنبی فضلا سے ہمیشہ مزین رکھتے تھے۔ ہسپانیہ کی علمی ترقیاں اور لامحدود علوم ومعارف کی اشاعت اسی طرز عمل کی مرہون منت تھی۔ بغداد کا دربار اسحاق بن سراقیوں کے سے اجنبی اور غیر مسلم فضلاء سے آراستہ تھا اور حکیم جید یا کے اخلاق حکم، بطلیموسی ہیئت، افلاطونی الہیات یونانی طب، حکومت کی سرپرستی میں صرف منتقل ہو کر نہیں آئی بلکہ مسلمانوں نے انھیں اتنی زینت بخشی کہ آج وہ بالکل نئے اور جداگانہ اسلامی علوم معلوم ہوتے ہیں۔ یہ خصوصیت محض عربوں ہی کی فتوحات میں نہ تھی۔ بلکہ اُن جملہ اقوام نے بھی، جو اگرچہ چنگیزی خاندان سے تھیں لیکن اسلام کے سرچشمہ سے سیراب ہو چکی تھیں جب کبھی فتوحات کیں، وہاں کے علوم وفنون اپنی زبان میں منتقل کر لئے، دارا شکوہ، فیضی اور بہت سے دیگر مسلمان ہندوستان میں بھی اسی علمی ذوق سے بہرہ اندوز تھے۔ بدقسمتی سے ڈیڑھ سو برس کے موجودہ تمدن نے ہندوستانیوں کے دماغوں کو اس طرح غلط راستہ پر لگادیا کہ ملت مسلمہ کے افراد آج افلاطون الٰہی کے نام پر تو سر نیاز جھکا دیتے ہیں۔ لیکن ہندو فلسفہ اور

تصوّف کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے قابل مبارکباد ہیں وہ لوگ جو الحکمۃ ضالۃ المومن (حکمت مسلمانوں کی گم شدہ چیز ہے۔ اسے جہاں پاؤ لے لو) پر آج بھی عمل کر رہے ہیں میرے دوست فاضل مترجم ان ہی مغتنم ہستیوں میں ہیں، جو اس دور جہالت میں بھی حقیقی انسانی وسعت قلب کے ساتھ ہر ایک شیریں چشمہ سے اپنی ملت کو سیراب کرنا چاہتے ہیں۔ فاضل موصوف کا ترجمہ گیتا مع فاضلانہ مقدمہ کے میں نے دیکھا، میرے نزدیک جس تبحر علمی کے ساتھ انھوں نے گیتا پر نظر ڈالی ہے وہ ان کی غیر معمولی علمی قابلیت کی دلیل ہے۔ مجھ ایسا کم بضاعت آدمی ہرگز اس کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ وہ اس مقدمہ پر تبصرہ کر سکے۔ بہر کیف حسب استطاعت چند خیالات گیتا کے متعلق تحریر کرتا ہوں۔

فاضل موصوف نے گیتا کی تاریخی اور فلسفیانہ حیثیت پوری طور پر واضح کرتے ہوئے تصوّف اسلام اور قرآن کی روشنی میں جو اظہار رائے کیا ہے۔ وہ دقیق خیالات وحقائق پر مبنی ہے۔ تناسخ کے متعلق فاضل موصوف نے جو اشعار مثنوی کے لکھے ہیں۔ ان میں مولانا نے جن ارتقائی مدارج کا تذکرہ کیا ہے ان سے سلوک کے وہ مختلف مقامات مراد لئے ہیں جن پر سالک کا درجۂ وصال تک پہونچنے سے پہلے گذر ہوتا ہے۔ نفس کی مختلف کیفیات جو اُن مقامات پر گذرتے وقت اس پر طاری ہوتی ہیں، جمادیت۔ حیوانیت اور ملکیت سے تعبیر کی جاتی ہیں۔ جب یہ مقامات طے ہو جاتے ہیں تو وصول الی اللہ یا وصال وجود حقیقی کا مرتبہ آتا ہے، جس کو عدم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ مرتبہ "لاشیئی" یا "لابشرط شیئی" کا ہے قائلین وحدت الوجود صرف ایک وجود کے قائل ہیں۔ جس کے مختلف حصّے۔ مختلف تعینات سے وابستہ ہو کر احساسات کے سامنے ایک مستقل وجود کی مغالطانہ صورت پیدا کر دیتے ہیں۔ اور مختلف اوصاف سے مزین ہو کر سطحی نظر والوں کے لئے اختلاف

مناظر کا باعث ہوتے ہیں جو آنکھیں حقیقت رس نہیں ہوتیں۔ وہ کسی چیز کو خوشنما اور کسی کو کریہہ المنظر سمجھتی ہیں۔ جب حقیقت حال تک رسائی ہوجاتی ہے تو سکون اور راحتِ ابدی حاصل ہوجاتی ہے، جسے جنت الفردوس کہیئے یا "نروان" سے تعبیر کیجئے اور یا مولانا کی زبان سے اسے "عدم ارغنوں" کہیئے۔

کرشن جی نے بھی سولھویں مکالمہ میں پہلے صفات خداوندی بیان کی ہیں جو تفرقہ اور تعینات کا مرتبہ ہے۔ اس کے بعد ارجن سے کہا ہے:۔

"رنج نہ کر اس لئے کہ تو ربانی صفات کے ساتھ پیدا ہوا ہے"۔

اس حقیقت کو اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (ترجمہ بیشک اللہ کے دوستوں کو خوف و غم نہ کرنا چاہیئے) سے تعبیر کیا گیا ہے اور اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (ہم اللہ ہی کی طرف یقیناً واپس جائیں گے) اسی مرتبۂ عدم کو جو کمال انسانی ہے اور جس میں تمام قیود اٹھ جاتی ہیں۔ تعبیر کیا گیا ہے ؎

یک چراغ است دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

درحقیقت نسب عاشق و معشوق یکیست
بوالفضولاں صنم و برہمنے ساختہ اند

وَلِکُلٍّ وِّجْھَۃٌ ھُوَ مُوَلِّیْھَا فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ

فاضل مترجم نے اوتار کے نظریہ پر بھی مختصر روشنی ڈالی ہے۔ اگر اوتار کسی ایسے شخص کو کہتے ہیں جس میں صفات خداوندی (جن کا تذکرہ مجملاً گیتا میں آیا ہے اور تفصیلاً قرآن کی کثیر آیتوں میں مذکور ہے) جلوہ گر ہوں اور وہ تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ کا مظہر ہو۔ اور ساتھ ہی ساتھ صفات عبدیت کا بھی حامل ہو تو ایسا شخص اسلامی نقطۂ نظر سے رسول کہا جائے گا اور اس طرح اوتار اور رسول میں کوئی

غرق نہ سمجھا جائے گا۔ لیکن ایسا نہ ہو تو وہ اسلامی نقطۂ نظر سے رسول نہیں ہو سکتا۔
فاضل مترجم نے "گیتا اور نجات" کے عنوان سے جو مختصر اور دلچسپ مقالہ ناظرین کے سامنے پیش کیا ہے۔ وہ بالکل فطری اور دین فطرت کے مطابق ہے۔ صرف تین آیتیں اس سلسلہ کی پیش کرتا ہوں۔

۱۔ عمل :۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (جو ذرا بھی نیکی کرے گا اس کی جزا پائے گا اور جو تھوڑی سی بھی بدی کرے گا وہ اس کے آگے آئے گی)

۲۔ عرفان :۔ لَا يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (اہل علم اور نہ جاننے والے برابر نہیں ہو سکتے)

۳۔ محبّت :۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط (ایمان والے خدا سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں)

ان مختصر الفاظ کے ساتھ میں دعا کرتا ہوں کہ خدا بنائے ملت اور اہل وطن کو سچائی کی تلاش کی توفیق دے۔ اور اچھوں کے اعمال کی پیروی کرنے کا جذبہ اُن کے دلوں میں پیدا کر دے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔

خاکسار محمد الفاروقی

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کی رقم کا — حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

بستے ہیں ترے سایہ میں سب شیخ و برہمن — آباد تجھی سے تو ہے گھر دیر و حرم کا

بھگوت گیتا

یا

نغمۂ یزدانی

تو جو کہتا ہے کہ خالق کو تو دیکھا ہی نہیں — یہ تو بتلا دے کہ تو نے ابھی دیکھا کیا ہے

اُس کا ہونا نہیں واجب تو نہیں کچھ ممکن — اور جب کچھ نہیں ممکن تو یہ جھگڑا کیا ہے

هُوَالکُلْ

بھگوت گیتا

نغمۂ خداوندی یا ترانۂ سرمدی

پہلا مکالمہ

ارجن وشاد (دکھ) یوگ یعنی ارجن کا غم و یاس

دھرت راشٹرؔ نے کہا:-

۱۔ اے سنجےؔ مجھے بتاؤ کہ اُس پاک سرزمین میں جسے کورو کشیتر (کورو کا میدان) کہتے ہیں، جنگ کرنے کی خواہش سے جمع ہو کر میرے اور پانڈو کے بیٹے نے کیا کیا؟

سنجے نے جواب دیا:-

۲۔ اے دھرت راشٹر۔ جب راجہ دریودھن نے اپنے مقابل پانڈوں کی فوج کو صف آرا پایا تو وہ اپنے گرو (درونا چارج) کے پاس جاکر یوں گویا ہوئے

۳۔ گرو! پانڈو کے بیٹوں کی زبردست فوج کو ملاحظہ فرمائیے جسے آپ کے خردمند شاگرد دروپد کے بیٹے نے آراستہ کیا ہے۔

ٹ اندھی یعنی حکومت رکھنے والا۔ دریودھن کے والد کا نام

۵۔ دھرت راشٹر کا وزیر۔ ایلچی اور رتھ بان

۴۔ یہ نبرد آزما مشہور تیر انداز ہیں جو بھیم اور ارجن کی طرح جنگ کر سکتے ہیں مثلاً یویودھان۔ وراٹ اور مہارتھ (بڑی رتھ والے) دروپد۔

۵۔ دھرشٹکیتو، چیکتیان اور کاشی کا بہادر راجہ ہے۔ پروجیت، کنتی بھوج اور آدمیوں میں سانڈ (یعنی قوی) شیبیہ بھی ہے۔

۶۔ مضبوط یودھا منیو۔ بہادر اُدتم اوجس (ابھی مینو، سبھدرا۔ اور دروپدی کے) بھی ہیں۔ جو سب کے سب مہارتھ ہیں۔

۷۔ اے اونچی ذات والوں میں بہترین انسان! اب ہماری فوج کے سرداروں کے نام سنیئے، آپ کی اطلاع کے لئے اب میں اپنے لشکر کے افسروں کے نام گنتا ہوں۔

۸۔ آپ خود۔ اور بھیشم اور کرن اور کرپ فاتحان جنگ۔ اشوتھاما۔ وکرم اور سوم دت کے بیٹے۔

۹۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے سورما ہیں جو میرے لئے اپنی جانیں دینے کے لئے تیار ہیں۔ جو کمانوں اور مختلف قسم کے ہتھیاروں سے مسلح ہیں اور فنون جنگ میں ماہر ہیں۔

۱۰۔ تاہم ہماری فوج ناکافی معلوم ہوتی ہے۔ گو اُس کے سردار بھیشم ہیں اور اُن کی فوج کافی و قوی معلوم ہوتی ہے چونکہ اُس کے افسر بھیم ہیں۔

۱۱۔ (دریودھن نے کہا) لہٰذا تم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ اپنے اپنے دوستوں میں استقلال سے قدم جمائے۔ حتیٰ کہ جتنے افسر ہیں وہ بھیشم کی

لہ۔ وہ اکیلا دس ہزار تیر اندازوں سے لڑ سکے۔

حفاظت کریں۔

۱۲۔ تب کوروں کے بزرگ یعنی پُرعظمت بھیشم نے اُن کے دلوں کو بڑھانے کے لئے بلندی پر کھڑے ہو کر شیر کی گرج کی مانند سنکھ بجایا۔

۱۳۔ پھر تو فضا میں سامعہ شگاف سنکھوں، ڈھولوں، قرناؤں، نفیریوں اور گھونگھوں کی صدائیں گونجنے لگیں۔

۱۴۔ تب مادھو (سری کرشن) اور پانڈو (ارجن) نے جو اپنے جنگی رتھ میں بیٹھے ہوئے تھے (جس میں سفید گھوڑے جُتے ہوئے تھے) اپنے خداوندی سنکھوں کو بجایا۔

۱۵۔ ہریشی کیش[1] نے پنج جنیہ[2] سنکھ بجایا۔ اور دھننجے[3] نے دیودت (خدا کا بخشا ہوا) سنکھ بجایا۔ خوفناک کام کرنے والے بھیم نے پونڈرا نام کا زبردست سنکھ بجایا۔

۱۶۔ اور راجہ یدھشٹر (کنتی کے بیٹے) نے اپنا اننت وجے[4] سنکھ بجایا۔ اور نکل اور سہدیو نے اپنا اپنا سوگھوش[5] اور منی پشپک[6] بجایا۔

۱۷، ۱۸۔ اے دُنیا کے آقا (دھرت راشٹر) بڑی کمان والے کاشی راج، مہارتھ شکھنڈی۔ دھرشٹ دیومن۔ وراٹ کے راجا۔ اور ناقابل تسخیر سائیکی، درو پد اور درو پدی کے پانچوں بیٹوں نے اور سبھدرا کے بہادر بیٹوں نے اپنے اپنے سنکھ بجائے۔

---

[1] وشنو سنیتا لیسواں نام یعنی حواس کا حکمران

[2] یہ سنکھ پنج جن، دیو کی ہڈیوں سے بنا تھا۔

[3] لغوی معنی دولت کو فتح کرنے والا۔ یعنی ارجن۔

[4] لامتناہی فتح۔ [5] نغمۂ شیریں۔ [6] جواہر غنچہ۔

۱۹۔ اس شور و ہنگامہ نے جس سے زمین و آسمان لرزنے لگے۔ کوروں کے دلوں کو ہلا دیا۔

۲۰۔ جب سب کورو جنگ کے لئے تیار ہو کر رزم گاہ میں کھڑے ہو گئے۔ اور تیروں کی بارش ہونے ہی والی تھی کہ ارجن نے دھنک اُٹھالی۔ وہ ارجن جس کے جھنڈے پر بندر کا نشان ہے۔ اور ہرشی کیش (سری کرشن جی) سے یوں ہم کلام ہوئے۔

ارجن نے کہا۔

۲۱۔ آقائے عالم۔ اچیوت[1]! میری رتھ کو دونوں فوجوں کے درمیان میں لے چلئے۔

۲۲۔ تاکہ میں یہ دیکھ سکوں کہ جنگ کرنے کے لئے کون کون آیا ہے۔ اور جب جنگ شروع ہو جائے گی تو مجھ سے کون کون لڑے گا۔

۲۳۔ اور میں دیکھ سکوں کہ وہ کون لوگ ہیں جو جنگ کے لئے تیار ہو کر جمع ہوئے ہیں۔ تاکہ بدعقل دھرت راشٹر کے بیٹے کو لڑائی میں خوش کریں۔

سنجے بولے:۔

۲۴۔ اے بھارت (دھرت راشٹر) جب گڈاکیش[2] نے ہرشی کیش سے یہ کہا تو انھوں نے اس پرشوکت رتھ کو دونوں فوجوں کے درمیان کھڑا کر دیا۔

۲۵۔ (سری کرشن نے رتھ کو اس طرح کھڑا کیا کہ) رتھ کو بھیشم درون اور دوسرے سردار اور راجہ دیکھ سکیں۔ اور کہا:۔ "پارتھ"! (ارجن ان کوروں کو دیکھ جو جمع ہوئے ہیں"۔

۲۶۔ تب پارتھ نے دیکھا کہ وہاں چچا، دادا، گرو، ماموں، بھائی، بیٹے،

---

[1] نہ بدلنے والا۔ [2] ارجن (نیند کا آقا)

پوتے اور دوست سب جمع ہیں۔

۲۷۔ جن میں خسر بھی ہیں، مربی بھی ہیں جو دونوں فوجوں میں شریک ہیں۔ ان عزیزوں کو اس طرح صف آرا دیکھ کر کنتی کے بیٹے (ارجن) کا دل رحم سے معمور ہو گیا اور وہ غمگین ہو کر کہنے لگے۔

ارجن نے کہا۔

۲۸۔ اے کرشن! اُن عزیز و اقربا کو دیکھ کر جو صف آرا ہیں اور جنگ کے مشتاق!

۲۹۔ میرے اعضاء نے جواب دے دیا ہے، میرا منہ خشک ہے۔ میرا جسم لرزتا ہے اور رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔

۳۰۔ گانڈیو (ارجن کی کمان) میرے ہاتھوں سے چھٹی جاتی ہے۔ میرا بدن جل رہا ہے۔ پاؤں کانپتے ہیں اور سر چکراتا ہے۔

۳۱۔ کیشو۔ میں بُرے شگونوں کو دیکھ رہا ہوں۔ اور مجھے اپنے عزیزوں کی خوں ریزی میں کوئی فائدہ نہیں معلوم ہوتا۔

۳۲۔ اے کرشن! نہ تو مجھے فتح کی ضرورت ہے، نہ راج اور مسرت کی۔ اے گووند! سلطنت اور مسرت تو کیا مجھے زندگی تک کی تمنا نہیں ہے۔

۳۳۔ وہی لوگ جن کے لئے ہم سلطنت لذات و نشاط کی خواہش کرتے ہیں۔ وہی زندگی اور دولت پر لات مار کے جنگ کے لئے تیار ہیں۔

ما ز یاران چشم یاری داشتیم
خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم
(حافظ)

۳۴۔ اُستاد، باپ، بیٹے اور دادا، ماموں، خسر، پوتے، سالے، اور

دوسرے اعزا موجود ہیں۔

۳۵۔ اے مدھوسودن! انھیں قتل کرنے کی خواہش مجھ میں نہیں ہے۔ ہاں میں خود قتل ہوسکتا ہوں۔ تینوں عالموں کی سلطنت کے بدلے بھی یہ نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ صرف اس دنیا کی سلطنت کے لئے۔

۳۶۔ اے جنارون (فنا کرنے والے!) ہمیں دھرت راشٹر کو قتل کرکے کیا خوشی حاصل ہوسکتی ہے۔ ان جانبازوں کو قتل کرنا گناہ مول لینا ہے۔

۳۷۔ ہاں! ہم ہرگز دھرت راشٹر کے بیٹوں کو جو ہمارے عزیز ہیں نہ ماریں گے۔ اے مادھو! اپنے خاندان کا خون کرکے ہم کیسے خوش رہ سکتے ہیں۔

۳۸۔ اگرچہ یہ لوگ حرص کے پھندے میں پھنس کر اپنی نسل کو مٹانے کے خطرے کا احساس نہیں کرتے اور نہ یہ دوستوں سے بے وفائی کرنا گناہ سمجھتے ہیں۔

۳۹۔ آخر ہم خود کیوں نہ اس گناہ سے بچیں، حالانکہ ہم اُس خطرے سے واقف ہیں جو ایک نسل کے مٹانے میں مضمر ہے۔

۴۰۔ خاندان کے تباہ ہونے سے خاندان کی قدیم روایات (دھرم) بھی تباہ ہوجاتی ہیں اور رسم و رواج کی تباہی سے آئین خاندان تباہ ہوجاتا ہے۔

۴۱۔ غیر آئینی (آدھرم) کے باعث۔ اے کرشن۔ خاندان کی خاتونیں خراب ہوجاتی ہیں۔ اور جب عورتیں خراب ہوجاتی ہیں۔ اے ورشنے! تو ذاتیں مخلوط ہوجاتی ہیں۔

۴۲۔ خاندان اور قاتلان خاندان کو یہ اختلاط جہنم میں لے جاتا ہے۔ اس لئے کہ ان مورثوں کو پنڈ[1] پانی اور دوسری نذریں نہیں پہنچتیں۔

---

[1] ہندو رواج کے مطابق مرنے کے بعد چاول کے لڈو روحوں کی نذر کئے جاتے ہیں اسے پنڈ کہتے ہیں۔

۴۳۔ خاندان کے قاتلوں کے اُن زشت افعال کی وجہ سے جن سے ذاتیں مخلوط ہوتی ہیں۔ قدیم ذات کی رسمیں اور خاندانی روایات فنا ہو جاتی ہیں

۴۴۔ اس لئے کہ جن لوگوں نے اپنے خاندان کی رسموں کو فراموش کر دیا ہے۔ اے جناردن! وہ لوگ ضرور جہنم میں رہیں گے۔ ایسا ہی ہم نے سُنا ہے۔

۴۵ آہ! ہم ایک پُر معصیت کام کرنے میں مصروف ہیں۔ سلطنت کی ہوس اور اس کی مسرتوں کے لئے ہم اپنوں کا خون کرنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔

۴۶۔ دھرت راشٹر کے بیٹے اگر مسلح ہو کر مجھے اس طرح قتل کر دیں کہ میں نہتا اور غیر متشدد ہوں، تو میرے لئے زیادہ اچھا ہو۔

من از بازوئے خود دارم بسے شکر
کہ زور مردم آزاری ندارم

سنجے نے کہا:۔

۴۷۔ میدان جنگ میں یہ تقریر کر کے ارجن رتھ کی نشست پر دونوں لشکروں کے درمیان بیٹھ گئے۔ اور دھنک بانا اُن کے ہاتھ سے گر گیا، اور اضطراب دل سے بے چین ہو گئے۔

ادم تت ست

اس طرح نغمۂ خداوندی کے اُپنشدوں میں علم الٰہی میں یوگ شاستر کی بابت شری کرشن اور ارجن کے مکالمہ کے سلسلہ میں ارجن کے غم و یاس یوگ نام کا پہلا مکالمہ ختم ہوتا ہے۔

دوسرا مکالمہ

سانکھ یوگ یا ماہیّت روح

اس مکالمہ میں کرشن جی نے بتایا کہ اضطراب فضول ہے ادائے فرض کے سامنے کسی چیز کی پرواہ نہ کرو۔ جنگ کرنا کھتری کا دھرم ہے۔ لڑائی سے بھاگنا بدنامی مول لینا ہے۔ جو موت سے بدتر ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ نیک عمل کرے اور کشمش و پنج میں نہ پڑے بلکہ خواہشات کو فرائض پر قربان کر دے تاکہ یک سوئی حاصل ہو اور جو شخص دنیوی لذتوں کے فریب سے بچ کر سکون حاصل کر لیتا ہے وہی وصال الٰہی سے فیضیاب ہوتا ہے۔

سنجے نے کہا۔

۱۔ مدھوسودن[1] نے ارجن کو اس طرح غمگین و چشم نم دیکھ کر کہا۔

۲۔ ارجن۔ یہ کیسا بے وقت کا رنج ہے۔ جو بھلے آدمیوں (بزرگان آریہ) کے لئے نازیبا۔ اور جنت کا راستہ بند کرنے والا ہے اور تیری بدنامی کا باعث ہے

۳۔ پارتھ! کمزوری کو راہ نہ دو، تم پر یہ زیبا نہیں ہے۔ اس پست کمزوری قلب کو چھوڑ کر کھڑے ہو جاؤ۔ اے پرنتپ[2]

ارجن نے کہا:

۴۔ میں بھیشم اور درون پر تیروں سے کس طرح حملہ کر سکتا ہوں۔ یہ لوگ تو قابل پرستش و احترام ہیں۔ اے دشمنوں کے قاتل!

---

[1] مدھو کے قاتل جو ایک دیو تھا۔ [2] دشمنوں کو فتح کرنے والا۔

۵۔ ان فراخ دل اور حریص بزرگوں کو قتل کر کے دولت اور خواہش کی خون آلود مسرت کو حاصل کرنے سے یہ بدرجہا بہتر ہے کہ بھیک مانگ کے ٹکڑے کھاؤں۔

خاطران شوخ زبس نازکیست
نالہ دل بے اثرم آرزوست
(شاہ محمد حسین الہ آبادی)

۶۔ دھرت راشٹر کی وہ فوج ہمارے مقابل ہے جسے قتل کر کے ہم بھی زندہ رہنا نہیں چاہتے اور ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ ہمارے لئے یہ بہتر ہے کہ ہم فاتح ہوں یا ہمارے مخالف۔

بے اثری مجھے قبول، ایسے اثر کو کیا کروں
اب تو خدا اثر نہ دے، آہ جگر گداز میں
(فانی)

۷۔ رحم نے میرے دل کو کمزور کر دیا ہے۔ میرا دل فرض شناسی (دھرم) کے متعلق شش و پنج میں ہے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا کرنا بہتر ہوگا۔ مجھے قطعی طور پر بتائیے۔ میں آپ کا چیلا ہوں، آپ سے عاجزانہ التماس ہے کہ مجھے تعلیم دیجیے۔

۸۔ گو میں بلا شرکت غیرے اس زرخیز دنیا کا مالک ہو جاؤں۔ گو میں فرشتوں تک پر حکمراں ہو جاؤں، تاہم میں وہ سمجھنے سے قاصر ہوں۔ جو میرے حواس سوز رنج کو کم کر سکے۔

سنجے نے کہا:۔

۹۔ دشمنوں کو مغلوب کرنے والے گڈاکیش نے حواس پر قابو رکھنے والے ہرشی کیش سے۔ مندرجہ بالا باتیں کہنے کے بعد کہا "میں نہ لڑوں گا" یہ کہا اور خاموش ہو گئے

۱۰۔ اے بھارت! ہرشی کیش نے یہ سن کر مسکراتے ہوئے یہ الفاظ ارجن سے کہے رجو

دونوں لشکروں کے درمیان غمزدہ حالت میں تھے۔

مقدس آقا نے فرمایا:۔

۱۱۔ تو اُن چیزوں کے لئے غمزدہ ہے جن کے لئے غم کرنا مناسب نہیں۔ اور عالموں کی سی باتیں کرتا ہے۔ لیکن عقلمند (یا صاحب عرفان) نہ تو زندوں کے لئے غم کرتے ہیں نہ مُردوں کے لئے۔

۱۲۔ میں کبھی عدم موجود نہ تھا نہ تو، نہ یہ راجہ غیر موجود تھے۔ اور نہ ہم میں کوئی اس کے بعد فنا ہوگا۔ ہم سب غیر فانی ہیں[1]۔

گاہے بفلک مہر درخشاں بودم
گاہے ہوا ذرۂ پویاں بودم
گاہے دل و گاہے تن و گہ جاں بودم
زیں پس ہمہ آں شوم کہ ہم آں بودم

۱۳۔ جس طرح (موجودہ) جسم میں بچپن، جوانی اور بڑھاپا آتا ہے۔ یا روح پر اثر کرتا ہے۔ اسی طرح وہ دوسرے جسم[2] میں منتقل ہوتا ہے۔ عقلمند انسان اس پر رنج نہیں کرتا۔

۱۴۔ اے کنتی کے بیٹے! مادہ کا لمس[3] جس سے گرمی، سردی، لذت و الم پیدا ہوتے ہیں یہ آنے جانے والی غیر مستقل چیزیں ہیں۔ اے بھارت انھیں استقلال سے برداشت کرو۔

---

[1] نظم کے اس حصہ سے روح کا غیر فانی اور قدیم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ فلسفہ سانکھ کا بانی کپل تھا۔ وہ بھی یہی کہتا ہے کہ روح غیر فانی ہے لیکن یہ خدا کا منکر ہے۔ لیکن مدرسہ سانکھ کی دوسری شاخ جس کا بانی پاتنجلی ہے اُسے یوگ کہتے ہیں۔ اور وہ خدا کا اقرار کرتا ہے۔ [2] یہ عقیدہ تناسخ کے متعلق ہے جو ہندو فلسفہ کا ایک بہت بڑا رکن ہے۔ یعنی مادی جسم فنا ہو جاتا ہے لیکن روحانی جسم روح کے ساتھ باقی رہتا ہے اور یہ مختلف قالب بدلتی رہتی ہے حتیٰ کہ نجات یعنی وصال الٰہی حاصل ہو جائے۔ [3] یعنی حواس خمسہ کے ذریعہ سے روح پر مادہ کا جو اثر ہوتا ہے۔

۱۵۔ جس شخص کو یہ باتیں تکلیف نہیں دیتیں جو دکھ سکھ میں یکساں (اپنا توازن) قائم رکھتا ہے اور مستقل مزاج رہتا ہے۔ وہی غیر فانی ہونے کا مستحق ہے

۱۶۔ جو شخص غیر حقیقی ہے۔ (نا وجود) اُس کا وجود ہی نہیں اور جو حقیقی ہے (باوجود) وہ کبھی فنا نہیں ہوتی جو لوگ عارف ہیں وہی دونوں کے بھید سے واقف ہیں۔

آتیت دے م ہنائیں ہے پلو کر ہر چیز نام ہے دا ہا ہے یا ہر چیز کو کا کیسا ہے معنی ہے استعمال دنیا سے دوجا رہے بے غرق آپ ہیں

(حواجہ ... دساد)

۱۷۔ جس نے ان سب چیزوں کو پیدا کیا ہے اُس ذات[1] کو لافانی سمجھ کوئی بھی اُس ذات لامتناہی کو فنا نہیں کر سکتا۔

۱۸۔ یہ جسم جو روحوں کے گھر ہیں فانی ہیں۔ روح غیر فانی اور لامتناہی ہے۔ اس لئے اے ارجن لڑو۔

۱۹۔ جو اس روح کو فنا کرنے والی سمجھتے ہیں۔ اور وہ جو اس کو فنا ہونے والی سمجھتے ہیں دونوں جاہل ہیں اس لئے کہ یہ روح نہ قتل کرتی ہے۔ اور نہ قتل ہو سکتی ہے۔

۲۰۔ وہ نہ کبھی پیدا ہوتی ہے نہ کبھی مرتی ہے نہ وہ عالم وجود میں آکر فنا ہو گی۔ وہ غیر پیدا شدہ ہے۔ دائمی ہے، قدیم ہے اور ازلی ہے جسم کے قتل ہونے سے وہ قتل نہیں ہوتی۔

۲۱۔ اے پارتھ! بھلا وہ شخص جو روح کو لافانی، دائمی، غیر پیدا شدہ، اور نہ مرنے والی سمجھتا ہو۔ وہ شخص کسے قتل کر سکتا ہے یا قتل کرا سکتا ہے۔

---

[1] یہاں یوگ یا فلسفہ یا تجلی کا بیان ہے۔ یعنی روح حالت استغراق اور محویت الٰہی میں دنیا کی چیزوں کو بھول جاتی ہے۔ [2] آتما۔ روح۔

٢٢۔ جس طرح کوئی پرانا لباس اتار کر نیا لباس پہنتا ہے۔ اسی طرح جسم میں رہنے والی یعنی روح پرانے جسموں کو چھوڑ کر نئے جسموں میں داخل ہو جاتی ہے۔

٢٣۔ نہ ہتھیار اسے زخمی کر سکتے ہیں، نہ آگ اسے جلا سکتی ہے نہ پانی اسے تر کر سکتا ہے نہ ہوائیں اسے خشک کر سکتی ہیں

٢٤۔ وہ ناقابل تقطیع، نہ جلنے والی، نہ خشک و تر ہونے والی شے ہے۔ وہ دائمی ہے۔ ہر جگہ موجود ہے، مستقل ہے، غیر متحرک ہے۔ اور قدیم ہے۔

٢٥۔ نہ حواس اسے محسوس کر سکتے ہیں، نہ خیال اس کا تصور کر سکتا ہے۔ وہ غیر مبدل ہے۔ لہٰذا اسے ایسا سمجھ کر تجھے اس کے واسطے غم نہ کرنا چاہیے۔

٢٦۔ اور اگر تو سمجھتا ہے کہ وہ ہمیشہ (جسم کے ساتھ) پیدا ہوتی اور مرتی ہے۔ تب بھی تیرے لئے زیبا نہیں ہے کہ تو اس کے سبب رنج کرے۔ اے [illegible]

٢٧۔ اس لئے کہ جو پیدا ہوا ہے وہ یقیناً مرے گا۔ اور جو مرے گا وہ یقیناً پیدا ہوگا لہٰذا تیرے لئے ایسی چیز پر رنج کرنا فضول ہے جو کسی کے بس کی بات نہیں ہے

٢٨۔ ابتدائی حالت میں جملہ ہستیاں غیر مشہود ہوتی ہیں اے بھارت اور درمیانی حالت میں مشہود ظاہر ہوتی ہیں اور آخرت میں وہ پھر غیر مشہود ہو جاتی ہیں۔ اس میں رنج کی کیا بات ہے۔

در عدم بودیم و آخر در عدم خواہیم رفت
ایں تماشائے جہاں را مفت می بینیم ما

٢٩۔ کوئی تو اسے (روح کو) عجیب شے سمجھتا ہے، کوئی عجیب شے کہتا ہے۔ کوئی سنتا ہے کہ یہ عجیب شے ہے۔ لیکن ایک بھی ایسا نہیں ہے جو اسے سن کر سمجھ سکے۔

۳۰۔ اے بھارت! اس جسم کی رہنے والی (روح) ہمیشہ ناقابل فنا ہے لہٰذا کسی جاندار کے لئے غم نہ کر۔

ترس اجل دبیم فنا ہستی نیست
ورنہ ز فنا تناسخ بقا خواہد رست
من از دم عیسوی شدم زندہ بجاں
مرگ آمد و از وجود من دست شست (خیام)

۳۱۔ اپنے فرض کو (بحیثیت چھتری کے) مدنظر رکھ کر بھی تیرے لئے لغزش کرنا مناسب نہیں۔ اس لئے کہ چھتری کے لئے مقدس جنگ سے زیادہ ثواب کی کوئی چیز نہیں۔

۳۲۔ اے ارجن! وہ چھتری قابل مبارکباد ہیں۔ جنہیں بغیر جستجو کے ایسی جنگ کا موقعہ مل جائے۔ اُن کے لئے جنت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

۳۳۔ لیکن اگر تو نے اس جہاد کو جاری نہ کیا تو اپنا فرض (دھرم) اور اپنی عزت دونوں کو برباد کر کے گناہ کا مرتکب ہوگا۔

۳۴۔ اُس وقت انسان تیری دوامی بدنامی کا اعلان کر دیں گے۔ اور شریف آدمی کے لئے رسوائی موت سے بدتر ہے۔

۳۵۔ بڑے بڑے جرنیل یہ خیال کریں گے کہ تو خوف کی وجہ سے جنگ سے بھاگ گیا اور تو جو کہ اُن کی آنکھوں میں معزز تھا اُن کی نظروں سے گر جائے گا۔

۳۶۔ تیرے دشمن تیرے خلاف بہت سے خراب الفاظ استعمال کریں گے۔ تیری طاقت کی کم وقعتی کریں گے۔ بھلا اس سے زیادہ تکلیف دہ کیا بات ہو سکتی ہے

۳۷۔ مقتول ہو کر تو جنت حاصل کرے گا۔ فاتح ہو کر تو دنیا کا لطف اُٹھائے گا۔ لہٰذا اے کنتی کے بیٹے! جنگ کے لئے کھڑا ہو جا۔

۳۸۔ رنج و راحت، نفع و نقصان۔ فتح و شکست سب کو مساوی سمجھ کر جنگ کے لئے کمر باندھ۔ گناہ سے بچنے کا یہی طریقہ ہے۔

۳۹۔ یہ تعلیم فلسفۂ سانکھ کے مطابق ہے۔ اب فلسفۂ یوگ کے مطابق سن۔ اس تعلیم کو حاصل کرنے کے بعد تو عمل کی زنجیروں کو توڑ ڈالے گا۔

۴۰۔ اس (مذہب فلسفہ) میں نہ تو کوششیں ضائع ہوتی ہیں اور نہ کوئی نقصان ہوتا ہے۔ اس مقدس علم سے بڑے بڑے خطرے دور ہو جاتے ہیں۔ گو وہ علم تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

گنجائشِ خیال طلسم جہاں کہاں
آنکھوں میں جس کے جلوۂ حق ہو بسا ہوا
(نیاز)

۴۱۔ اے کوروں کے لئے باعثِ مسرت! جس عقل میں استقلال ہے اس میں یکسوئی ہے۔ لیکن غیر مستقل۔ یقین والوں کی عقل متعدد اور لاتعداد شاخیں رکھتی ہے۔

۴۲۔ اسے پارتھ! نادان نہایت رنگین تقریریں کرتے ہیں۔ اور صرف ویدوں کے الفاظ میں خوش ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

اسرار ازل بادہ پرستاں دانند
قدر مئے وجام تنگدستاں دانند
گر چشم تو حال من بداند نہ عجب
شکر لبیت کحال بستاں دانند
(خیام)

۴۳۔ (یہ وہ لوگ ہیں، جن کے دل شہوات سے پُر ہیں، جن کا مقصد بہشت ہے۔ وہ اعمال کی جزا میں (دوبارہ) زندگی کو پیش کرتے ہیں۔ اور مسرت و حکومت حاصل کرنے کے لئے مختلف رسمیں بتاتے ہیں۔

۴۴۔ اُن لوگوں کے عقائد جو لذت و نشاط اور قوت کو اپنا مقصد سمجھتے ہیں۔ اور جن کے دل ان الفاظ کی پھیریں ہیں۔ وہ کسی ارادے پر استقلال سے قائم

نہیں رہ سکتے۔

۴۵۔ ویدوں میں تین گنوں[1] (صفات) کا ذکر ہے۔ تو ان تینوں صفات سے بالاتر ہو جا۔ ضدین[2] سے آزاد ہو جا۔ ہمیشہ ستوگن پر قائم رہ۔ مقبوضات کی پروا نہ کر۔ ہمیشہ روحانیت میں غرق رہ۔

تو و طوبیٰ و ما و قامت یار
فکر ہر کس بقدر ہمت اوست
(حافظ)

۴۶۔ جس طرح اس مقام کے لئے جہاں ہر طرف چشمہ ہی چشمہ ہوں تالاب غیر ضروری ہے۔ اسی طرح عارف (برہمن) کے لئے وید غیر ضروری ہیں

۴۷۔ تیرا کام عمل کرنا ہے۔ اس کے ثمرہ سے تجھے کوئی واسطہ نہیں۔ عمل کے ثمرہ کو اپنا مقصد نہ بنا۔ تاہم جامد و ساکن بھی نہ ہو جا۔

۴۸۔ او، دولت کو محکوم بنانے والے! اپنے اعمال کو بے لوث ہو کر اور یوگ میں قائم ہو کر انجام دے۔ کامیابی اور ناکامی میں یکساں رہ۔ اس توازن ہی کا نام یوگ ہے۔

۴۹۔ اے ارجن! عقل مطمئنہ کے مقابلہ میں محض عمل نہایت ہی ناچیز ہے صرف عقل مطمئنہ ہی میں پناہ لے۔ جو لوگ ثمرۂ اعمال کو مقصد بناتے ہیں۔ وہ

---

[1] صفات سہ گانہ یا تین گن یہ ہیں:
(۱) ستوگن۔ یکسانیت، سکون، روشنی
(۲) رجوگن، حرکت عمل۔ جوش۔
(۳) تموگن۔ ظلمت، حماقت۔

[2] ۔ رنج و راحت۔ بیماری و تندرستی، سردی و گرمی۔

قابل رحم ہیں۔

۵۰۔ جو اس عقل متوازن میں قائم ہو گئے ہیں۔ وہ نیک و بد اعمال کو چھوڑ دیتے ہیں، لہذا یوگ پر عامل ہو جا۔ اعمال میں خوبی پیدا کرنے ہی کا نام یوگ ہے

۵۱۔ اس لئے کہ عقلمند، یوگی ثمرۂ اعمال کو ترک کر کے اور اسی دنیا میں تناسخ سے نجات پا کے فراغت کاملہ حاصل کرتے ہیں،

گھر کو تو اپنی ہستی کے ویران کر دے تو
بستی سے حق کی پھر دیکھ بسے گا بسا ہوا
(نیاز)

۵۲۔ جب تیرا نفس اس دھوکے کے گورکھ دھندے سے چھوٹ جائے گا تب تو اس چیز سے بے پرواہ ہو جائے گا جو سُن چکا ہے۔ یا آئندہ سُنے گا

۵۳۔ جب تیری بُدھی (عقل) جو ویدوں میں پریشان ہے مستحکم قیام اختیار کرے گی اور مراقبہ میں محو ہو جائے گی، تب تو یوگ حاصل کرے گا

غافل تو کہہ رہا ہے بھٹکے ہے کچھ دل کی بہرہ
شیشہ جو بغل میں ہے تیری ہے کیا یہ مشت
(شاد)

ارجن بولے:-

۵۴۔ اے کیشو! اس شخص کی کیا پہچان ہے جس کا دل مطمئن ہو اور مراقبہ میں محو ہو۔ مطمئن قلب والے کس طرح بولتے ہیں، کس طرح بیٹھتے ہیں اور کیونکر چلتے ہیں۔

مقدس خداوند نے فرمایا

۵۵۔ اے پارتھ! جب کوئی شخص اپنی تمام دلی خواہشات کو ترک کر دیتا ہے

لے یہ اٹھارہ شلوک مہاتما گاندھی کے یہاں روز پڑھے جاتے ہیں۔

اور روح ہی میں مطمئن رہتا ہے تو اسے مستقیم العقل کہتے ہیں۔

۵۶۔ جو دکھ سے دکھی نہ ہو اور سکھ کی تمنا نہ رکھتا ہو۔ اور محبت، خوف اور غصہ سے خالی ہو۔ اسے مطمئن عقل والا عارف کہتے ہیں۔

۵۷۔ وہ جس کے چاروں طرف کوئی تعلقات نہ ہوں۔ جو بھلی یا بری چیز پا نہ خوش ہوتا ہو نہ رنجیدہ۔ ایسے شخص کی عقل مطمئن ہوتی ہے۔

۵۸۔ جس طرح کچھوا اپنے اعضاء کو سمیٹ لیتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اپنے حواس کو اشیائے حواس سے بچاتا ہے وہی عقل مطمئن رکھتا ہے۔

۵۹۔ پرہیزگار آدمی سے اشیائے حواس دور ہو جاتی ہیں لیکن ان کا ذائقہ باقی رہتا ہے۔ خدا کے نظارے کے بعد یہ بھی فنا ہو جاتا ہے۔

۶۰۔ اے کنتی کے بیٹے! عقلمند آدمی کے بھڑکتے ہوئے احساسات نہایت تیزی سے اس کے نفس پر قبضہ کر لیتے ہیں۔

۶۱۔ ان سب خواہشات کو ضبط کرکے اسے مستغنی ہو جانا چاہیئے بس "مجھے" اپنا مقصد بنائے۔ اس لئے کہ جس کے حواس خمسہ قابو میں ہیں اسی کی عقل متوازن ہے

چاک کن جامۂ ہستی کہ شود دامن پیدا
تا گریباں نہ دریدگی نہ کند او پیدا

۶۲۔ جب کوئی شخص اشیائے حواس پر غور کرتا ہے تو ان سے انس ہو جاتا ہے اس سے آرزو پیدا ہوتی ہے اور آرزو سے غصہ پیدا ہوتا ہے۔

۶۳۔ غصہ سے غفلت اور غفلت سے ذہن فراموشی اور عقل برباد ہو جاتی ہے عقل کی بربادی اس کی تباہی کا باعث ہوتی ہے۔

۶۴- لیکن وہ جو اشیائے حواس کا مقابلہ ایسے حواس سے کرتا ہے جو محبت (دوستی، ونفرت (دشمنی) سے پاک ہیں۔ اور جس کا نفس قبضہ میں ہے۔ اور جس کی روح منظم ہے وہ سکون (آرام دل) حاصل کرتا ہے[1]۔

۶۵- سکون حاصل ہونے کے بعد سب دکھ دور ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ جس کا نفس سکون حاصل کر لیتا ہے۔ اس کی عقل مستحکم اور متوازن ہو جاتی ہے (ترقی کرتی ہے)

اب دل ہے اور فراغ محبت کی راحتیں
تشویش زندگانی و فکر احباب گئی
(حسرت)

۶۶- کسی غیر متوازن شخص کے لئے عقل نہیں ہوتی۔ اور نہ غیر متوازن شخص کو توازن حاصل ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو راحت و سکون حاصل نہیں ہوتا۔ اور جسے راحت و سکون نہیں اسے مسرت و راحت کہاں؟

۶۷- اس لئے کہ جو شخص منتشر حواس کی پیروی کرتا ہے۔ وہ اپنی عقل کو برباد کرتا ہے جس طرح کہ ہوا جہاز کو بہا لے جاتی ہے۔

۶۸- لہٰذا اے دراز دست قوی بازو! جس کے حواس مکمل طور پر اس کے قبضہ میں ہیں اور جس نے اپنے حواس کو اشیائے حواس سے الگ کر لیا ہے اسکی عقل خوب متوازن ہے۔

۶۹- جو چیز دوسری ہستیوں کے لئے شب ہے وہ ایک متوازن شخص کے لئے بیداری کا وقت ہے اور حق بیں

نمود بود کو عاقل حباب سمجھے ہیں
وہ جاگتے ہیں جو دنیا کو خواب سمجھے ہیں

---

[1] جو عقل کو راہبر بناتا ہے۔ اس کی روح سکون پاتی ہے اور وہ خدا اور حقیقت کے مراقبہ میں مصروف ہو جاتا ہے۔ (سقراط - فیڈو - دفعہ ۸۵)

عارف کے لئے وہ وقت خواب
ہے جو دوسروں کے لئے بیداری
کا وقت ہے۔

۷۰۔ وہی شخص سکون حاصل کرتا ہے۔ جس میں جملہ خواہشات اس طرح سما جاتی ہیں جس طرح سمندر میں دریا سما جاتے ہیں جو باوجودیکہ پانی سے بھرا ہوا ہے لیکن ساکن رہتا ہے نہ کہ وہ جو خواہشات کا خواہاں ہے۔

ہر کہ در خوابست بیداریش بہ
مست غفلت عین ہشیاریش بہ

در طریق عشق بیداری بد است
باخودی تو لیک مجنوں بیخود است

ہر کہ بیدار است او در خواب تر
ہست بیداریش از خوابش بتر

الناس نیامٌ فاذا ماتوا انتبھوا
(حدیث)

۷۱۔ وہ تمام خواہشات کو ترک کر دیتا ہے اور بغیر حرص و طمع کے آگے بڑھتا ہے، جو خود غرضی اور تکبر سے خالی ہے وہی آرام دل سکون حاصل کرتا ہے۔

نہ کچھ فنا کی خبر ہے نہ ہے بقا معلوم
بس ایک بے خبری ہے سو وہ بھی کیا معلوم
(اصغر)

بیخودی لے بڑھ کے آگے ہے فنا کا مرتبہ
رہرو راہِ محبت آخری منزل میں ہے
(حسرت)

۷۲۔ اے پارتھ کے بیٹے! یہ حالت برہم (ذاتِ الٰہی) کہلاتی ہے۔ جو اس حالت پر پہنچ جاتا ہے۔ اس کی عقل سے غفلت کے پردے اُٹھ جاتے ہیں۔ اگر حالت نزع میں بھی یہ حالت میسر آئے تو وہ برہم میں نروان حاصل کرتا ہے یعنی برہم کو پا لیتا ہے۔

اوم تت ست

اس طرح ختم ہوتا ہے نغمۂ خداوندی کا دوسرا مکالمہ جسے سانکھیہ یوگ یا آتما ہیت روح کہتے ہیں جو سری کرشن اور ارجن کے مکالمہ کے سلسلہ میں تعلیم عرفان ہے۔

تیسرا مکالمہ

کرم یوگ، یا راہِ عمل

یہ مکالمہ اس سوال سے شروع ہوتا ہے کہ اگر علم بہتر ہے عمل سے تو مجھے اپنے عزیزوں سے جنگ کرنے کا کیوں حکم دیا جاتا ہے۔ کرشن جی جواب دیتے ہیں کہ مکتی یا نروان یعنی نجات حاصل کرنے کا ذریعہ صرف عمل ہے۔ اسی سے تمام نیکی کا سبب ہوتی ہے۔

ارجن نے کہا:۔

۱۔ اے جناردن! جب آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ علم عمل سے افضل ہے تو کیوں اے کیشو! مجھے اس ہولناک عمل کا حکم ہوتا ہے؟

۲۔ ان پیچیدہ الفاظ سے آپ نے میری عقل کو پریشان کر دیا ہے۔ مجھے قطعی صورت بتائیے کہ میں کیا کروں جس سے میرا بھلا ہو۔ } جسم آزادی میں چھوکری تو لنے پیچیدگی کی طرح خیر ہو چکا کیا۔ اب یہ بتائیے کیا کروں؟ دی

مقدس خداوند نے فرمایا:

۳۔ اے معصوم (دور از گناہ) شخص اس دنیا میں دو راستے ہیں۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ سانکھیوں (مردم پاک دل) کے لئے عرفانِ الٰہی کا یوگ ہے اور یوگیوں کے لئے عمل کا یوگ (یا راہِ عمل) ہے۔

۴۔ وہ شخص جو عمل نہیں کرتا آزادی (خلاصی) نہیں حاصل کرتا۔ اور نہ وہ درجہ کمال تک صرف ترکِ عمل سے پہنچ سکتا ہے

۵۔ نہ کوئی ایک لمحہ کے لئے بھی مجبول رہ سکتا ہے۔ اس لئے کہ مجبوراً ہر شخص اِن خصلتوں یا صفات (گنوں) کی وجہ سے جو قدرت سے پیدا ہوتی ہیں عمل کی طرف بے اختیار جاتا ہے۔

۶۔ جو شخص اپنے حواس کو ضبط کرتا ہے لیکن اپنے دل میں اشیائے حواس کو جگہ دیتا ہے اس گمراہ کو ریاکار کہتے ہیں۔

بادہ خوردن و ہشیار نشستن سہل است
گر بدولت برسی مست نگردی مردی

۷۔ لیکن وہ جو حواس کو اپنے قبضہ میں رکھ کر اعضائے عمل سے عملی یوگ کرتا ہے اور اپنا تعلق کسی سے نہیں رکھتا، وہ افضل ہے۔

۸۔ لہٰذا تو عمل صالح کر کیونکہ عمل بہتر ہے ترک عمل سے۔ اور بغیر عمل کئے جسم تک کو زندہ رکھنا ناممکن ہے۔

ابی ثعلبہ سے حدیث مروی ہے کہ:۔ عمل نیک وہ ہے جس سے انسان کی روح کو سکون ہوتا ہے اور دل میں اطمینان پیدا ہوتا ہے اور گناہ وہ ہے جس سے نہ انسان کی روح کو سکون ہوتا ہے نہ دل میں اطمینان۔

۹۔ دنیا عمل کی زنجیروں میں بندھی ہوئی ہے سوائے اس عمل کے جو قربانی کے لئے کیا جاتا ہے۔ اے کنتی کے بیٹے! قربانی کے لئے عمل کر۔ مگر بے نیاز ہو کر۔

قربانی سے مطلب ایثار ہے

۱۰۔ جب خالق اعظم نے مخلوق کو قربانی کے ساتھ پیدا کیا تو اُس نے

کہا۔ اسی سے تمہاری نسل بڑھے گی
اور جو چاہو گے ہو جائے گا۔

۱۱۔ اسی قربانی سے دیوتاؤں کی خدمت کرو اور دیوتا تمہاری خدمت کریں۔
اور ایک دوسرے کی خدمت کرتے ہوئے تم خیر اعظم حاصل کروگے۔

۱۲۔ دیوتا قربانی سے پرورش پاکر تمھیں حسب خواہش خوراک دیں گے۔ وہ شخص چور ہے جو ان چیزوں کو کھا تو لیتا ہے (جو اُسے دی جاتی ہیں) اگر نذر کے طور پر اُنھیں واپس نہیں کرتا۔

۱۳۔ جو صالح شخص قربانی کا پسماندہ کھاتا ہے۔ سب گناہوں سے نجات پاتا ہے۔ لیکن وہ بدکار جو صرف اپنے لئے خوراک تیار کرتے ہیں وہ غذائے معصیت کھاتے ہیں۔

۱۴۔ خوراک سے جاندار پیدا ہوتے ہیں۔ بارش سے خوراک پیدا ہوتی ہے قربانی سے بارش ہوتی ہے۔ اور قربانی عمل سے ہوتی ہے۔

۱۵۔ جان لے کہ عمل برہم (قدرت) سے پیدا ہوتا ہے۔ اور برہم (قدرت) کا وجود لافانی خالق سے ہے۔ لہٰذا ازلی اور عالمگیر ہستی (برہما) ہمیشہ قربانی میں موجود ہے۔

۱۶۔ اس دنیا میں جو شخص اس دور مسلسل کی پیروی نہیں کرتا۔ وہ معصیت میں زندہ رہ کر اپنی شہوات کو پورا کرتا ہے اور بے فائدہ زندگی بسر کرتا ہے۔

۱۷۔ لیکن وہ جو اپنے نفس میں مسرور اور اپنی روح سے خوش ہے۔ اور اپنی ذات پر قناعت کئے ہوئے ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اُسے کچھ کرنا نہیں ہے۔

۱۸۔ اس لئے کہ ایسے شخص کو ایسی باتوں سے کوئی غرض نہیں ہے کہ اُس نے کیا کام کیا اور کیا نہیں کیا۔ نہ اُس کی کوئی غرض کسی جاندار سے ہے۔

۱۹۔ لہذا بے لگاؤ ہو کر ہمیشہ [illegible] کرتا رہ [illegible] فرض ہے۔ اس لئے کہ بغیر لگاؤ کے عمل کرنا ہی [illegible] پہنچاتا ہے۔

۲۰۔ [illegible] اور دوسرے لوگوں نے عمل کے ذریعہ سے کمال [illegible] کیا۔ لہذا حصول نیک نامی کے خیال سے بھی تجھے عمل نیک یا [illegible] کو [illegible] اختیار کرنا چاہیئے۔

۲۱۔ جو بڑے آدمی کرتے ہیں۔ اسی کی تقلید دوسرے لوگ بھی کرتے ہیں۔ جو معیار وہ مقرر کرتے ہیں۔ عوام اسی پر عمل کرتے ہیں۔

۲۲۔ اے ارجن! میرے لئے تینوں عالموں میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو [illegible] کروں۔ نہ کوئی ایسی غیر حاصل شدہ چیز ہے جسے میں حاصل کرنا چاہوں پھر بھی میں عمل میں مشغول رہوں۔

۲۳۔ اس لئے کہ میں ہمیشہ انتھک طریقہ پر مصروف عمل نہ رہوں تو عوام میری پیروی نہ کریں گے۔ اے پرتھا کے فرزند!

۲۴۔ یہ دنیا میں تباہی میں ڈوب جائیں، اگر میں عمل نہ کروں تو میں (ذاتوں) میں اختلاط کی بنیاد ڈالوں۔ اور میں اس نسل انسانی کے مٹانے کا باعث ہو جاؤں۔

۲۵۔ اے بھارت جس طرح انجان انسان لپٹاوٹ میں پڑکر کام کرتے ہیں اسی طرح عارف (مرد دانا) بے لوث ہو کر عمل کرتے ہیں تاکہ دنیا کا بھلا ہو

۲۶۔ کسی عقلمند آدمی کو یہ نہ چاہیئے۔ کَلِّمِ النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِہِم
وہ انجان لوگوں کے دلوں کو جو (انسان سے اُن کی عقلوں کے مطابق گفتگو کر)

لہ۔ ہندو ذاتوں کے نزدیک ذاتوں کا اختلاط سب سے بڑا گناہ ہے۔ مگر یہاں قانون سے جو انتشار پیدا ہوگا اُس سے مراد معلوم ہوتی ہے۔

عمل سے محبت رکھتے ہیں پریشان کرے۔ لیکن اس کو چاہیئے کہ انکے ساتھ عمل کر کے اعمال کو خوشنما بنائے۔

پندے وہمت اگر بمن دار ی گوش
از بہر خدا جامہ تز دیدہ بپوشش
عقبیٰ ہمہ روزہ است دنیا یکدم
از بہر دمے ملک ابد را نہ فروش (سیاہ)

۲۷۔ جتنے اعمال ہیں سب قدرت کی صفات سے پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن نفس خودی سے دھوکا کھا کر یہ سمجھتا ہے کہ "کرنے والا میں ہوں"۔

۲۸۔ لیکن اے مسلح شخص! وہ جو حواس کی حقیقت سے واقف ہے۔ اور جو یہ سمجھتا ہے کہ حواس اپنے افعال کرتی رہتی ہیں۔ وہ تعلقات میں نہیں پھنستا وہی شخص بے دوت ہے۔

۲۹۔ مادّے کی صفات سے دھوکا کھا کر جو لوگ ان صفات کے اعمال سے محبت یا آمیزش رکھتے ہیں مکمل علم والے انسان کو چاہیئے کہ ان نادانوں کے علم کو پریشان نہ کرے جو علم میں نامکمل ہیں

۳۰۔ جملہ اعمال کو مجھ پر چھوڑ کر تو اپنے خیال کو نفس اعظم (یعنی ذات برحق) پر جمادے علائق دنیوی اور خودی سے آزاد ہوجا۔ اس ذہنی بخار سے نجات پاکر جنگ کر۔

۳۱۔ جو لوگ میری اس تعلیم پر بھروسہ کرتے ہیں۔ جن کے دل ایمان و یقین سے معمور اور شبہات سے پاک ہیں وہ بھی کرم (عمل) سے نجات پائیں گے۔

۳۲۔ جو لوگ میری تعلیم کو سنتے ہیں۔ اور اس پر عمل نہیں کرتے۔ وہ مدہوش ہیں۔ اور علم میں دھوکا کھا رہے ہیں۔ انھیں تباہ سمجھو۔

۳۳۔ مرد دانا عالم بھی اپنی فطرت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ سب جاندار اپنی فطرت رطبیعت، کی پیروی کرتے ہیں۔ اس سے باز رہنے سے کیا فائدہ؟

۳۴۔ اشیائے حواس سے محبت یا نفرت حواس ہی میں موجود ہے۔ خبردار کوئی ان کے قابو میں نہ آئے۔ یہ راستے کو روکنے والی چیزیں ہیں۔

۳۵۔ بہتر یہی ہے کہ انسان اپنا فرض انجام دے، خواہ وہ قابلِ تعریف نہ ہو۔ بمقابلہ اس کے کہ کسی دوسرے شخص کا فرض انجام دے خواہ وہ کتنی ہی خوبصورتی سے ادا کیا جائے۔ اپنے فرض کی ادائیگی میں موت بدرجہا بہتر ہے۔ دوسرے کا فرض خطرے سے بھرا ہوا ہے[1]۔

ارجن نے کہا:۔

۳۶۔ لیکن ایک دار شنے! وہ کیا شے ہے جو انسان کو برانگیختہ کرکے اپنی مرضی کے خلاف گناہ کراتی ہے گویا کہ کوئی طاقت اُسے مجبور کر رہی ہے۔

مقدس خداوند نے فرمایا:۔

۳۷۔ یہ شہوت ہے۔ یہ خشم ہے جو حرکت (رجوگن) کی صفت سے پیدا ہوتا ہے۔ سب کو جلانے والا ہو سب کو ناپاک کرتا ہے۔ اسی کو دُنیا میں اپنا دشمن سمجھ۔

خشم و شہوت مرد را احول کند
ز استقامت مرد را مبدل کند (رومی)

من بادہ خورم و لیک مستی نکنم
الا بقدح دراز دستی نکنم
دانی غرضم ز مے پرستی چہ بود
تا ہمچو تو خویشتن پرستی نکنم (خیام)

---

[1] فرض ترجمہ ہے دھرم کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص جس ذات سے متعلق ہے۔ اس کو ویسا ہی کرنا چاہیئے۔ دوسرے کا فرض یا دوسری ذات کا کام بہتر نہیں ہے۔ چونکہ ہر ذات کا کام علیحدہ علیحدہ ہے یہاں ارجن کو سمجھایا گیا ہے کہ تو چھتری ہے۔ اور تیرا دھرم جنگ کرنا ہے یعنی جو شخص سپاہی ہے۔ اُسے میدان جنگ میں جرنل کے حکم پر عمل کرکے لڑنا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ جو احکام میں اپنی رائے کو دخل دے۔

۳۸۔ جس طرح شعلہ دھوئیں میں، شیشہ گرد و غبار میں یا بچہ رحم مادر میں پوشیدہ رہتا ہے۔ اسی طرح یہ روح اُس سے لپٹی ہوئی ہے۔

۳۹۔ عارفوں کی مستقل دشمن شہوت و حرص ہے جس میں عرفان چھپ جاتا ہے یہ خواہش اس شعلہ کی طرح ہے جو کبھی بجھ نہیں سکتا۔

۴۰۔ حواس خمسہ، نفس اور عقل اس کے مقامات ہیں۔ عقل کو چھپا کر یہ جسم کے باشندے (روح) کو حیران و پریشان کر دیتی ہے۔

۴۱۔ لہذا۔ اے بھارتوں کے برگزیدہ! پہلے حواس کو قبضہ میں لا۔ اس کے بعد اس ناپاک شئے کو ہلاک کر دے جو عقل و عرفان کو تباہ کرتی ہے۔

۴۲۔ کہتے ہیں کہ حواس بہت لطیف ہیں۔ ان سے بھی لطیف نفس ہے۔ نفس سے زیادہ لطیف عقل ہے لیکن جو ذات عقل سے بھی زیادہ لطیف ہے وہ آتما (وہ ذات) ہے۔

اے غنی ذات تو از اقرار و از انکار ما
بے نیاز از ما و از پیدائی و اظہار ما
خارج از عقل و قیاس و فہم جملہ خاص و عام
دور از حد بحہ باشد حیطۂ ادکار ما
(نیاز)

۴۳۔ اس طرح "اس ذات" کو عقل سے بزرگ تر سمجھ کر اور اپنے نفس پر یقین سے قابو حاصل کر کے۔ اے زبردست انسان! اُس دشمن کو قتل کر جسے شہوت (حرص) کہتے ہیں جس پر غالب آنا بہت مشکل ہے۔

اوم تت ست

اس طرح ختم ہوتا ہے نغمۂ خداوندی کا تیسرا مکالمہ کرم یوگ یا راہ عمل۔ جو سری کرشن اور ارجن کے مکالمہ کے سلسلہ میں تعلیم عرفان ہے

چوتھا مکالمہ

گیان کرم سنیاس یوگ یا عارفانہ ترکِ عمل

اس مکالمہ میں جس فلسفہ کی تعلیم ہے اُس کی تعلیم کرشن جی نے وِوَسوت کو دی تھی۔ ارجن نے تعجب سے پوچھا اُس وقت آپ کہاں پیدا ہوئے تھے۔ کرشن جی نے جواب دیا کہ دنیا میں جب کبھی ظلم و طغیان بڑھ جاتا ہے تو میں (یعنی خدائی طاقت، حق کی حفاظت کے لئے ظاہر ہوتا ہوں اور گناہ کو مٹا کے اخلاق توازن قائم کر دیتا ہوں۔ یہاں ذاتوں کا بھی بیان ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ہر شخص کو خدا تک پہنچنے کا مساوی حق ہے۔

مقدس آقا نے فرمایا۔

۱۔ یہ غیر فانی یوگ میں نے وِوَسوان (سورج) کو بتایا۔ اُنھوں نے منو۔ اور منو نے اکھشواکو کو سکھایا۔

۲۔ اسے سلسلہ بہ سلسلہ راج رشیوں نے جانا۔ لیکن اے پرنتپ! زمانہ گزرنے کی وجہ سے اس دُنیا میں (علم) تنزل پذیر ہو گیا ہے۔

۳۔ اس قدیم یوگ کو آج میں تجھے بتاتا ہوں چونکہ تو میرا بھگت اور دوست ہے۔ یہ یوگ سب سے بڑا راز ہے۔

ارجن نے کہا:۔

۴۔ آپ تو بعد میں پیدا ہوئے۔ وِوَسوان آپ سے بہت پہلے پیدا ہو چکا ہو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ نے کس طرح پہلے اس کی تعلیم دی۔

مقدس خداوند نے فرمایا۔

۵۔ اے ارجن! تیرے اور میرے بے شمار جنم گزر چکے ہیں۔ میں اُن سب کو جانتا ہوں، لیکن تو نہیں جانتا۔

۶۔ اگرچہ میں نہ پیدا ہونے والا، نہ فنا ہونے والا جوہر اور سب مخلوقات کا مالک ہوں، تاہم میں اپنی فطرت کے سہارے اپنی قدرت سے دُنیا میں جنم لیتا رہتا ہوں۔

۷۔ اے بھارت! جب کبھی دھرم کمزور ہو جاتا ہے۔ ادھرم ترقی پر ہوتا ہے تو میں خود جنم لے لیتا ہوں۔ (اوتار دھارن کرتا ہوں)

۸۔ نیکوں کی حفاظت اور بدوں کی بیخ کنی کے لئے نیز نیکی (دھرم) کو دوبارہ قائم کرنے کے لئے میں ہر زمانہ میں اپنا ظہور کرتا رہتا ہوں۔

۹۔ وہ جو اس طرح میری خدائی آفرینش اور کرم (عمل) سے آگاہ ہے۔ اور اس راز کو جانتا ہے۔ وہ جب جسم کو چھوڑتا ہے تو دوبارہ جنم نہیں لیتا بلکہ اے ارجن وہ میرے پاس چلا آتا ہے (یعنی آواگون سے چھوٹ جاتا ہے۔)

۱۰۔ شہوت، خوف اور خشم سے آزاد ہو کر۔ میرے ہی خیال میں محو ہو کر مجھ میں پناہ لے کر عرفان کی ریاضت کے ذریعہ سے پاک ہو کر بہت سے آدمی میری ہستی میں داخل ہو گئے ہیں۔

۱۱۔ اے پارتھ! جس طرح لوگ میرا سہارا لیتے ہیں اسی طرح میں اُن کو جزا دیتا ہوں۔ اس لئے کہ جو بھی راستہ وہ اختیار کرتے ہیں وہ مجھ تک پہنچاتا ہے۔

ہمہ کس طالب یارند چہ ہشیار و چہ مست
ہمہ جا خانۂ عشق است چہ مسجد چہ کنشت

۱۲۔ جو لوگ اس دنیا میں ثمرۂ عمل چاہتے ہیں وہ دیوتاؤں (فرشتوں) کی پرستش

کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اس عالم انسانی میں یقیناً ثمرۂ عمل جلد حاصل ہوتا ہے۔

۱۳۔ صفات و اعمال (کرم) کی تقسیم کے مطابق میں نے چار قسم کے انسان پیدا کئے ہیں۔ ان کا پیدا کرنے والا ہونے پر بھی تو مجھے بے نہایت اور غیر پیدا کنندہ سمجھ۔

نوٹ:۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذاتیں موروثی نہ تھیں۔

۱۴۔ نہ مجھ پر اعمال (کرم) اثر کرتے ہیں۔ اور نہ مجھے ثمرۂ عمل (کرم پھل) کی خواہش ہے جو مجھے اس طرح جانتا ہے۔ وہ عمل (کرم) میں نہیں پھنستا (یا مجذوب ہوتا)

۱۵۔ یہ جان کر ہمارے آباؤ اجداد نے نجات کی طلب میں ہمیشہ عمل کیا۔ لہٰذا تو بھی عمل کر۔ جس طرح زمانۂ قدیم میں ہمارے آباؤ اجداد نے عمل (کرم) کیا ہے۔

۱۶۔ کرم (عمل) کیا ہے۔ اکرم (بے عملی) کیا ہے۔ اس سوال کے جواب میں عقلمند بھی چکر میں ہیں۔ لہٰذا میں تجھے اس قسم کا عمل سکھاتا ہوں جس کے علم سے تو بدی سے نجات پائے گا۔

۱۷۔ عمل کو خوب سمجھ لینا چاہیئے۔ اور منہیات اور عدم عمل کو بھی سمجھ لینا چاہیئے اعمال کا راستہ نہایت پُرپیچ و خم ہے۔

۱۸۔ جو شخص عمل میں عدم عمل اور عدم عمل میں عمل سمجھتا ہے۔ وہ انسانوں میں دانشمند ہے۔ وہ متوازن یوگی ہے۔ باوجودیکہ ہر ایک عمل انجام دے رہا ہے۔

۱۹۔ عقلمندوں نے صوفی و دانا اُسے بتایا ہے جس کے اعمال تکبر سے پاک ہیں۔ اور جس کے اعمال عقل کی آگ میں جل چکے ہیں۔

۲۰۔ ثمرۂ عمل کی محبت کو چھوڑ کر ہمیشہ قانع رہ کر وہ کہیں پناہ نہیں لیتا وہ باوجود یکہ اعمال کر رہا ہے۔ لیکن کچھ بھی نہیں کرتا[۱]۔

۲۱۔ جو امید نہیں کرتا، جو خودی کو قابو میں لا کر۔ طمع کو چھوڑ کر صرف جسم سے عمل کرتا ہے۔ وہ عمل کرتے ہوئے بھی اُس کے اثرات سے بری ہے۔

۲۲۔ وہ جو اُس چیز پر قناعت کرتا ہے جو بغیر کوشش کے حاصل ہو جاتی ہو جو ضدین[۲] سے آزاد ہے اور حسد نہیں کرتا، جو شکست و فتح میں یکساں رہتا ہے۔ وہ اگرچہ عمل کرتا ہے لیکن اُس میں پھنستا نہیں ہے۔

۲۳۔ جو تعلقات کو توڑ کر (ہر حال میں) یکساں رہتا ہے۔ جس کے خیالات معرفت کی بنا پر قائم ہو جاتے ہیں۔ اُس کے افعال قربانیاں اور جملہ عمل (کرم) مٹ جاتے ہیں۔

۲۴۔ برہم صدقہ ہے۔ برہم قربانی کا گھی ہے۔ برہم ہی آگ ہے۔ اور ہون کرنے والا بھی برہم ہے جو شخص اپنے کام میں برہم کا دھیان رکھتا ہو۔ وہ برہم ہی میں داخل ہوگا۔

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گِل کوزہ۔
خود رند سبوکش خود برسراں کوزہ خریدار
برآمد۔ بشکست و رواں شد۔

---

[۱] ثمرۂ عمل کی پرواہ نہ کرنا۔ اور عمل نہ کرنا گویا ایک ہی چیز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص کرم کی زنجیروں سے چھوٹ جاتا ہے اور اپنے اعمال کی جزا یا سزا میں پھر پیدا نہیں ہوتا یعنی تناسخ سے نجات پاتا ہے۔

[۲] رنج، راحت، سکون و اضطراب، شکست و فتح وغیرہ۔

~~اور کچھ یوگی~~ دیوتاؤں کے لئے قربانیاں کرتے ہیں۔ اور کچھ پرستار ایسے ہیں جو صرف برہم کی آگ میں قربانی پیش کرتے ہیں۔

کسے مرد تمام است و تمامی
کند با خواجگی کار غلامی

۲۶۔ کچھ ایسے ہیں جو قوت سامعہ اور دوسرے حواس کو ضبط نفس کی آگ میں قربان کرتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں۔ جو اشیائے حواس اور آواز (الفاظ وغیرہ) کو حواس کی آگ میں قربان کرتے ہیں۔

۲۷۔ بعض ایسے ہیں جو وصل کی آگ میں جسے عقل نے روشن کیا ہے اور جو ضبط نفس سے حاصل ہوئی ہے اپنے جملہ حواس کے افعال اور مظاہر حیات کو بطور قربانی کے (اس آگ) کی نذر کرتے ہیں۔

کا نیکہ یزداں پرستی کنند
بہ آواز دولاب مستی کنند

۲۸۔ بعض دولت، ریاضت اور یوگ کی قربانی کرتے ہیں اور بعض خاموش مطالعہ اور عقل کی قربانی کرتے ہیں۔ یہ لوگ سنجیدہ اور عہد کے پکے ہیں۔

۲۹۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو باہر جانے والی سانس کو اندر آنے والی سانس میں بطور قربانی کے ڈالتے ہیں۔ اور اندر والی کو باہر والی میں۔ اور آنے جانے والی سانسوں کو ضبط کر کے بالکل ضبط انفاس (حبس دم[1]) میں محو ہو جاتے ہیں

---

[1] پرانایام یا سانس کو روکنا جو اہل تصوف کے نزدیک ریاضت کے ذریعہ سے عرفان کا ایک طریقہ ہے۔

۳۰۔ کچھ ایسے لوگ ہیں جو غذا میں اوقات کے پابند ہیں اور قربانی کے طور پر اپنے انفاس حیات کو انفاس حیات میں داخل کرتے ہیں۔ یہ لوگ انسان قربانی ہیں۔ جس کے ذریعہ سے گناہوں کو فنا کرتے ہیں۔

۳۱۔ قربانی کے پیمانہ کو ہی اپنی غذا اپنانے کے واسطے جو مثل آبِ حیات کے ہے نہ بدلنے والی ابدی ہستی (برہم) تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہ دنیا ایسے شخص کے لئے نہیں جو قربانی نہ کرے۔ چہ جائیکہ عالم بالا۔ اے کوروؤں کے برگزیدہ انسان۔

۳۲۔ اس طرح کی کئی قسم کی قربانیاں ویدوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ جان لے کہ یہ سب چیزیں کرم (عمل) سے پیدا ہوئی ہیں۔ اس طرح علم حاصل کر کے تو نجات حاصل کرے گا۔

۳۳۔ اے ارجن! عقل یعنی معرفت کردگار کی قربانی اشیائے حواس کی قربانی سے بہتر ہے۔ اس لئے کہ مکمل طور پر جملہ اعمال آخرکار اس میں آکر محو ہو جاتے ہیں

۳۴۔ استاد کے قدموں میں بیٹھ کر تحقیقات خدمت اور عجز سے اس علم کو حاصل کر۔ تب وہ دانشمند اور صاحب عرفان تجھے عرفان کی تعلیم دیں گے۔ } قربانی عقل یعنی محبت کرنا عقل سے۔

۳۵۔ اے پانڈو! یہ جاننے کے بعد پھر تجھے حیرانی نہ ہوگی۔ چونکہ اس علم کے ذریعہ سے تو جملہ مخلوق کو بلا استثناء اپنے نفس میں دیکھے گا } من عرف نفسه فقد عرف ربه (جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے خدا کو پہچانا)

اور اس طریقہ سے مجھ میں
دیکھے گا۔

۳۶۔ اگر تو سب گناہگاروں سے بڑا گناہگار ہو۔ تب بھی تو تمام گناہوں سے معرفت کی کشتی سے عبور کرلے گا۔

۳۷۔ جس طرح جلتی ہوئی آگ ایندھن کو راکھ میں تبدیل کر دیتی ہے اسی طرح اے ارجن! آتش معرفت جملہ اعمال کو خاکستر بنا دیتی ہے۔

۳۸۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس دنیا میں معرفت (عقل) کی مانند کوئی پاک کرنے والی چیز نہیں ہے۔ اور جو شخص یوگ میں مکمل ہے۔ وہ عرفان کو مناسب وقت پر اپنے اندر پالتا ہے۔

خاتم ملک سلیمان است علم
جملہ عالم صورت و جان است علم
(مثنوی)

۳۹۔ جس کا ایمان مکمل ہے۔ وہ معرفت حاصل کرتا ہے اور وہ بھی جو اپنے حواس پر قابو رکھتا ہے اور صاحب عرفان ہونے کے بعد وہ تیزی کے ساتھ سکون کامل میں داخل ہو جاتا ہے۔

۴۰۔ لیکن ایمان اور بد عقیدہ شخص شک میں مبتلا ہو کر تباہی کی طرف جاتا ہے شک کرنے والے کے لئے نہ تو یہ دنیا ہے نہ آخرت۔ اور نہ مسرت (راحت)

۴۱۔ جس نے اعمال کو یوگ کے ذریعہ سے چھوڑ دیا ہے جس نے معرفت کے ذریعہ سے شک کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے ہیں۔ جس کی نفس پر حکومت ہے اسے اعمال اپھنسا نہیں سکتے۔ اے دھننجے۔

۴۲- لہٰذا - اے بھارت! جہالت سے پیدا ہونے والے شکوک کو اپنی روحانی معرفت کی تلوار سے کاٹ - جو تیرے دل میں جاگزیں ہیں یوگ میں قائم رہ اور کھڑا ہو۔

اوم تت ست

اس طرح ختم ہوتا ہے نغمۂ خداوندی کا چوتھا مکالمہ گیان کرم سنیاس یوگ یا عارفانہ ترک عمل جو سری کرشن اور ارجن کے مکالمہ کے سلسلہ میں علم الٰہی ہے۔



پانچواں مکالمہ

کرم سنیاس یوگ یا ترک عمل

اس مکالمہ میں کرشن جی کہتے ہیں۔ کرم یوگ اور سنیاس دونوں راستے ایک ہی مقصود کے لیئے ہیں۔ لیکن کرم یوگ کا راستہ بہتر ہے۔ کرم سنیاس ثمرۂ اعمال کے ترک کرنے کو کہتے ہیں۔ لیکن کرم یوگ میں ثمرۂ اعمال یا نتائج کی پرواہ ہی نہیں کی جاتی۔ جو لوگ راضی بہ رضا یا متوکل رہتے ہیں وہی نجات یا فراغت کاملہ حاصل کرتے ہیں۔

ارجن نے کہا:-

۱۔ اے کرشن! آپ ترک اعمال کی بھی تعریف کرتے ہیں اور ایسے اعمال کی بھی تعریف کرتے ہیں جو یوگ کے ذریعہ سے کیئے جائیں۔ مجھے قطعی اور حتمی طور پر بتایئے کہ دونوں میں کون بہتر ہے۔

مقدس خداوند نے فرمایا:-

۲۔ "ترک عمل" اور "عمل بذریعہ یوگ" دونوں سے مکمل خلاصی نجات حاصل ہوتی ہے۔ دونوں میں "ترک عمل" سے "عمل" بہتر ہے، جو یوگ کے ذریعہ سے کیا جائے۔ (سانکھیہ)

۳۔ اے ارجن! جو شخص نفرت کرتا ہے نہ محبت، جو ضدین سے آزاد ہے، اُسے دائمی سنیاسی (تارک اعمال) سمجھنا چاہیئے۔ وہ بہت آسانی سے قید (پیدائش) سے چھوٹ جاتا ہے۔

پردۂ ہستی بسوزی گر بتار لاالٰہ
از زماں بے پردہ بینی نور الا اللہ را (خواجہ اجمیری)

تا در ہوس لعل و لب جام مئی
تا در پئے آواز دف چنگ و نئی
اینہا ہمہ حشو است خدا مید اند
تا ترک تعلق نہ کنی ، ہیچ نئی (خیام)

۴۔ نادان یہ کہتے ہیں کہ سانکھ اور یوگ میں اختلاف ہے۔ عالم ایسا نہیں سمجھتے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جو ایک کو اچھی طرح حاصل کر لیتا ہے وہ دوسرے کو بھی پا لیتا ہے[1]۔

۵۔ جو مرتبہ سانکھیوں کو حاصل ہوتا ہے وہی یوگیوں کو بھی حاصل ہوتا ہے اصل میں وہی صاحب نظر ہے جو سانکھ اور یوگ کو ایک ہی دیکھتا ہے۔

۶۔ لیکن اے دست دراز بغیر یوگ کے ترک دنیا (سنیاس) مشکل سے حاصل ہوتا ہے۔ جو زاہد (مُنی) یوگ سے اصلاح پاتا ہے۔ وہ ذات ابدی تک تیزی سے پہنچتا ہے

ترک دُنیا، ترک عقبیٰ، ترک مولیٰ، ترک ترک۔

۷۔ جو یوگ سے اصلاح یافتہ ہے متقی ہے اور جس کے حواس نفس قابو میں ہیں جس نے جملہ مخلوق کی روحوں کے ساتھ اپنی روح کی وحدت کو محسوس

---

[1] فلسفۂ ہنود کے چھ نظاموں میں ایک نظام فلسفہ سانکھ ہے۔ یہ نظام ارتقاء سے بحث کرتا ہے اور الحاد پر مبنی ہے فلسفہ یوگ واجب الوجود کا قائل ہے اور مراقبہ سے بحث کرتا ہے۔

کر لیا ہے۔ وہ باوجودیکہ عمل کرتا ہے۔ لیکن اس میں پھنستا نہیں

۸ ، ۹ ۔ عابد حقیقت شناس دیکھنے سننے، سونگھنے، کھانے، چلنے سونے، سانس لینے، بولنے چھوڑنے یا پکڑنے میں آنکھیں کھولنے یا بند کرنے میں یہ خیال کرے کہ "میں کچھ نہیں کرتا بلکہ صرف حواس اشیائے حواس میں مصروف ہیں"

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (قرآن)

۱۰۔ جو عمل کرتا ہے۔ لیکن اپنے جملہ اعمال کو اس ذات ابدی کی طرف تفویض کر دیتا ہے، اور تعلقات (دنیوی) کو ترک کر دیتا ہے۔ وہ گناہوں سے ایسا ہی پاک رہتا ہے۔ جیسے نیلوفر کی پتی پانی کی لہروں سے

جو اللہ پر توکل کرتا ہے، وہ اس کے لئے کافی ہے۔ (قرآن)

۱۱۔ ثمرۂ عمل کی طرف سے بے پرواہ ہو کے جسم، نفس، عقل اور حواس سے یوگی عمل کرتے ہیں تاکہ نفس پاک وصاف ہو جائے۔

۱۲ ۔ متوازن انسان ثمرۂ عمل کو ترک کر کے دائمی فراغت حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن غیر متوازن شخص

آفت ایں در ہوا و شہوت است
ورنہ اینجا شربت اندر شربت است
(مثنوی)

خواہشات سے مجبور ہو کر ثمرۂ عمل تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔

۱۳۔ جملہ اعمال کو دل سے ترک کر کے جسم کا شاہی حکمران (روح) سنجیدگی سے نو دروازوں[1] والے شہر (جسم) میں رہتا ہے نہ عمل کرتا ہے نہ کراتا ہے۔

۱۴۔ دُنیا کا مالک نہ تو قوتِ عمل پیدا کرتا ہے نہ اعمال، نہ اعمال و ثمرۂ اعمال کا تعلق پیدا کرتا ہے لیکن یہاں محض فطرت کام کرتی رہتی ہے[2]۔

۱۵۔ خدا نہ تو کسی کی بُرائی کی ذمہ داری لیتا ہے نہ بھلائی کی۔ عقل بے حقیقی کے پردے میں چھُپ جاتی ہے اور اس سے مخلوقات دھوکا کھاتی ہے۔

۱۶۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جو لوگ جہل کو معرفت کے ذریعہ سے مٹا دیتے ہیں۔ ان کی معرفت سورج کی تابندگی کی طرح ذات ابدی کو ان پر ظاہر کر دیتی ہے۔

۱۷۔ اُس ذات کا خیال کرتے ہوئے اُس سے واصل ہو کر۔ اُس میں قائم ہو کر اور کلیتہً اُس میں محو ہو کر اُن کے گناہ فروغ معرفت کی وجہ سے دُور ہو جاتے ہیں وہ ایسے مقام خلاصی پر پہنچتے ہیں۔

خاموش ہو ترکِ گفتگو کر
باطن کی صفت کی جستجو کر
حیرت میں وصال آرزو کر
آئینۂ دل کو روبرو کر
دیدار نصیب ہر نظر ہے
(ادگاد)

---

[1] دو کان، دو ناک، دو آنکھ اور پاخانہ پیشاب کی دو راہیں اور یہ نو دروازے جسم کے ہیں
[2] خدا کرم سے بالاتر ہے۔ وہ عمل نہیں کرتا۔

۱۸۔ جو عالم صغیر میں عالم کبیر کو دیکھنے والے ہیں۔ وہ سب کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں۔ خواہ وہ عالم و منکسر مزاج برہمن ہو، یا گائے، ہاتھی۔ کتا، یا کتا کھانے والا انسان ہی کیوں نہ ہو اور خواہ وہ چانڈال ہو۔

۱۹۔ جن کے من متوازن ہیں۔ وہ اس دنیا میں ہر چیز پر فتح حاصل کر لیتے ہیں وہ ذات دائمی متوازن ہے۔ بے عیب ہے۔ لہٰذا وہ لوگ اُس ذات دائمی جنت میں مقیم ہو جاتے ہیں (اسی دُنیا میں)

۲۰۔ مستحکم اور غیر متذبذب عقل کے ساتھ ذات ابدی کا عارف۔ اُس ذات میں قائم ہو کر ایسا ہو جاتا ہے کہ نہ تو سرور انگیز چیزوں کے حصول سے خوش ہوتا ہے نہ غم افزا چیزوں سے افسردہ و غمگین ہوتا ہے۔

۲۱۔ وہ جو خارجی تعلقات ترک کر دیتا ہے اور اپنی ہی ذات میں مسرت محسوس کرتا ہے۔ اور اپنے نفس کو ذات سرمدی سے بذریعۂ یوگ کے متوازن کر لیتا ہے۔ وہ نہ فنا ہونے والی مسرت کا لطف اُٹھاتا ہے۔

۲۲۔ جو لذتیں محسوسات سے پیدا ہوتی ہیں۔ وہ اَلم و کرب کی جڑیں ہیں۔ اے کنتی کے بیٹے! وجہ یہ ہے کہ اُن کی ابتدا اور انتہا یوں ہوتی ہے۔ اُن سے عقلمند لطف اندوز نہیں ہوتے۔

۲۳۔ وہ شخص جو اس دُنیا میں جسم سے آزاد ہونے سے پہلے حرص و خشم سے پیدا ہونے والے جذبات کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ وہ یوگی اور سکھی ہے۔

۲۴۔ جو دل میں خوش ہے اور مسرور ہے۔ جو داخلی طور پر روشن و منور ہے وہی یوگی خود ذات سرمدی ہو کر برہم نروان (فراغت، فنا فی اللہ و نجات کاملہ) حاصل کرتا ہے۔

۲۵۔ وہ رشی دائمی نروان حاصل کرتے ہیں جو جملہ ہستیوں کی بھلائی میں مشغول

رہتے ہیں، اُن کے گناہ فنا ہو چکے ہیں۔ دوئی کا پردہ ہٹ جاتا ہے۔ اور اُن کے نفس قابو میں رہتے ہیں۔

۲۶۔ دائمی نروان اُن لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ جو اپنی ہستی کو پہچانتے ہیں جو شہوت و خشم کو ترک کر چکے ہیں۔ اپنی فطرت کو قبضہ میں رکھتے ہیں اور اپنے خیالات کو پابند رکھتے ہیں۔

ہر کہ نفس خویش را دید و شناخت
اندر استکمال خود دو اسپہ تاخت

(مثنوی)

۲۷، ۲۸۔ خارجی تعلقات کو ترک کر کے اور اپنی نگاہ کو دونوں بھوؤں کے درمیان میں جما کر اپنی آنے جانے والی سانسوں کو جو نتھنوں کے درمیان سے آتی ہیں۔ برابر کر کے حواس، نفس اور عقل کو قابو میں کر کے جو عارف مطلقاً خلاصی کا خیال کرتا ہے وہ خشم و آرزو و ترس کو بالکل ترک کر کے یقیناً نجات پاتا ہے

۲۹۔ وہ میری بابت یہ جان کر کہ میں قربانی اور ریاضت سے لطف حاصل کرتا ہوں اور یہ کہ تمام عالموں کا حاکم اعظم ہوں اور تمام جانداروں سے محبت کرتا ہوں، یہ باتیں جان کر وہ سلامتی (نروان) حاصل کر لیتا ہے۔

پتھر میں بھی عشق کا اثر ہے
اس آگ سے سوختہ جگر ہے
ہر سنگ میں دیکھ تو شرر ہے

(درد)

اوم۔ تت ست

اس طرح ختم ہوتا ہے نغمۂ خداوندی کا پانچواں مکالمہ سنیاس یوگ یا ترک عمل جو سری کرشن اور ارجن کے مکالمہ کے سلسلہ میں علم معرفت ہے۔

چھٹا مکالمہ

ادھیائم آتم سنجم یوگ یا تعلیم ضبط نفس

اس فصل میں سچے سنیاسی اور یوگی کی تعریف کی گئی ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ معرفت الٰہی حاصل کرنے کے بعد بھی اپنے فرائض انجام دیتے رہو۔ تاکہ عوام پیروی کریں، جو لوگ یوگ میں نامکمل ہیں وہ دوبارہ پیدا ہونے کی مصیبت میں گرفتار کئے جائیں گے، تاکہ موجودہ زندگی کی تربیت کی بنا پر ترقی حاصل کر سکیں اور آخرکار سکون یا نجات حاصل کریں۔

مقدس خداوند نے فرمایا:۔

۱۔ وہ جو محض فرض سمجھ کر عمل کرتا ہے۔ اور ثمرۂ عمل کی پرواہ نہیں کرتا۔ وہی زاہد (سنیاسی ہے۔ وہی یوگی ہے۔ نہ کہ وہ جو اعمال کرنا چھوڑ دیتا ہے اور آگ کو ہاتھ نہیں لگاتا[1]۔

۲۔ اے پانڈو! جسے سنیاس کہتے ہیں وہ یوگ کا دوسرا نام ہے۔ اور کوئی شخص یوگی نہیں بن سکتا۔ جب تک کہ وہ قوت ارادی کو ترک نہیں کر دیتا۔

۳۔ ایسے طالب کے لئے جو یوگ کی تلاش میں ہے عمل کو ذریعہ کہتے ہیں۔ اس طالب کے لئے یوگ حاصل کرتا ہے سکون (شانتی) ذریعہ کہا جاتا ہے۔

---

[1] سنیاسی پوجا اور قربانی کی آگ نہیں جلاتا بلکہ ان سب رسوم سے آزاد ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ کھانا بھی نہیں پکاتا۔ اگر کہیں پکا ہوا کھانا مل جائے تو کھا لیتا ہے۔

۴۔ اس لئے کہ جو جملہ ارادوں کو ترک کر دیتا ہے۔ اور اشیائے حواس اور عمل سے بے لوث رہتا ہے وہ کامل یوگی کہلاتا ہے۔

۵۔ ہر شخص کو خود اپنے آپ کو بلند کرنا چاہیئے اور اپنے کو پست نہ کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ وہ خود ہی اپنا مددگار ہے اور خود ہی اپنا دشمن ہے۔

۶۔ وہ اپنا مددگار ہے جس نے خود اپنے نفس کو جیت لیا ہے اور جس نے اپنے نفس کو نہیں جیتا وہ خود اپنا دشمن ہے۔

۷۔ جو شخص اپنے نفس پر قابو رکھتا ہے اور گرمی، سردی، عزت و ذلت، رنج و راحت میں یکساں رہتا ہے اس کی آتما (نفس) پرماتما (ذات بلند) ہے۔

۸۔ وہ یوگی متوازن کہلاتا ہے۔ جو علم و عرفان کے ذریعہ سے مطمئن ہے۔ جو مستقل ہے اور جس کے حواس قابو میں ہیں، جس کے لئے مٹی کا ڈھیلا، پتھر اور سونا سب برابر ہیں۔

نزدیک و بعید ہے برابر
مت ہو دم یاس سے مکدر
آئینہ وہم ہے سراسر
مانند نگہ نکل تو باہر
تیرے تئیں تجھ تلک سفر ہے
(درد)

۹۔ وہی برتری پاتا ہے جو عاشقوں، دوستوں اور دشمنوں، اجنبیوں، غیر جانبداروں نفرت کرنے والوں اور رشتہ داروں اور نیکو کاروں اور بدکاروں کو ایک نگاہ سے دیکھتا ہے۔

۱۰۔ یوگی کو چاہیئے کہ ہمیشہ یوگ میں مصروف رہے۔ خلوت میں اکیلا رہے۔ خیال و خودی کو قبضہ میں رکھے اور امید اور ملکیت کے خیال سے الگ رہے

۱۱۔ پاکیزہ مقام میں اپنی مقررہ نشست پر جو نہ بہت زیادہ بلند ہو نہ بہت زیادہ پست۔ اور یہ نشست کپڑے اور کالے ہرن کی کھال اور کُش گھاس سے

بنی ہو۔

۱۲۔ وہاں نفس (من) کو یکسو کر کے اور خیالات و حواس کو قبضہ میں کر کے اپنی نشست پر مستحکم ہو کر اُسے اپنے نفس کی پاکیزگی کے لئے یوگ پر عمل کرنا چاہیئے

۱۳۔ جسم، سر اور گردن کو مستقیم کر کے غیر متحرک طور پر مستحکم ہو کر مستقل طور پر اپنی ناک کی نوک کو اس طرح دیکھنا چاہیئے کہ نگاہ کسی سمت نہ پھرے۔

۱۴۔ اپنے نفس کو مطمئن کرنے بلے خوف اور برہم چریہ (تجرد) کے عہد پر استقلال سے قائم رہ کر۔ دل کو قابو میں کر کے صرف میرا دھیان کرے۔ اور متوازن ہو کر مجھ سے لو لگائے۔

۱۵۔ اس طرح یوگی ہمیشہ نفس سے متحد ہو کر۔ دل کو قابو میں کر کے سلامتی حاصل کرتا ہے۔ اور مکمل نروان حاصل کر لیتا ہے جو مجھ میں موجود ہے۔

۱۶۔ اے ارجن! حقیقت یہ ہے کہ یوگ اُس کے لئے نہیں ہے جو بسیار خوار ہو یا جو قطعی نہیں کھاتا۔ نہ یوگ اُس کے لئے ہے جو بہت زیادہ سوتا ہے۔ نہ یہ زیادہ بیدار رہنے والے کے لئے ہے۔

۱۷۔ یوگ اس شخص کے کل مصائب کو دُور کر دیتا ہے۔ جو کھانے اور تفریح کرنے میں افراط و تفریط سے بچتا ہے جو اپنے اعمال اور خواب و بیداری میں احتیاط رکھتا ہے۔

۱۸۔ جب اُس کا منضبط خیال نفس پر جم جاتا ہے اور خواہشات کی آرزوئیں دل سے نکل جاتی ہیں اُس وقت یہ کہا جاتا ہے کہ وہ شخص متوازن ہو گیا ہے۔

نہاں تھیں تجھ میں جن کی ساری حقیقتیں
ہر حرف شوق نعرۂ منصور ہو گیا

(سجاد انصاری)

۱۹۔ جس طرح چراغ ایسی جگہ نہیں جھلملاتا جہاں ہوا نہ ہو۔ اسی طرح وہ یوگی ہوتا ہے۔ جو اپنے خیالات کو ضبط کر لیتا ہے۔ اور نفس کے یوگ میں مصروف رہتا ہے۔

۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴۔ جس چیز میں دل کو سکون ہو۔ اور یوگ کی مشق کرنے سے خاموشی حاصل ہو، وہ شے جس میں وہ آتما (نفس) کو آتما کے ساتھ دیکھ کر آتما میں مطمئن ہو۔ وہ شے جس میں اُسے نشاط کامل حاصل ہو۔ ایسا نشاط جسے عقل جو اس سے بالاتر معلوم کر سکے جس میں قائم ہو کر وہ شخص حقیقت سے دور نہ ہو جس (حقیقت) کو پا کر وہ یہ سمجھے کہ اس سے زیادہ نفع کسی شے میں نہیں جس میں قائم ہو کر وہ کسی سخت صدمہ سے بھی متزلزل نہ ہو۔ اُسے یوگ کہنا چاہیئے۔ (یعنی) یہ رنج والم سے بے تعلقی کا نام ہے۔ اس یوگ کو مضبوط ارادہ اور صاف دل سے پکڑنا چاہیے۔

۲۵۔ جتنی خواہشات تصور سے پیدا ہوں یا دل سے۔ ان سب کو ترک کر کے اور ہر طرف سے حواس کو قطع کر کے اُسے رفتہ رفتہ فراغت حاصل کرنا چاہیئے۔ اس طرح کہ عقل کو ہوشیاری سے قابو میں رکھے اور دل (من) کو آتما (نفس) میں قائم کر کے کسی دوسری چیز کا خیال نہ کرے۔

۲۶۔ جتنی دفعہ یہ مستحکم اور متزلزل دل بہکے۔ اُتنی ہی دفعہ اُسے چاہیے کہ اس دل کو لگام دے کر آتما (نفس) کی ماتحتی میں لائے۔

۲۷۔ مسرت کامل اُس یوگی کے لئے ہے جس کا دل مطمئن ہے۔ جس کے جذبات پرسکون ہیں۔ جو معصوم ہے اور ذات ابدی کی فطرت میں محو ہے۔

۲۸۔ وہ یوگی جو ہمیشہ اس طرح آتما کو متوازن رکھتا ہے۔ اور گناہوں کو دور کر دیتا ہے۔ وہ آسانی سے وصال برہم (ذات سرمدی) کا لطف بے پایاں

حاصل کرتا ہے۔

۲۹۔ وہ نفس جو یوگ سے اصلاح پاتا ہے۔ وہ جملہ ہستیوں میں اپنے کو دیکھتا ہے۔ اور اپنے میں جملہ ہستیوں کو پاتا ہے۔ وہ ہر جگہ وہی جلوہ دیکھتا ہے

۳۰۔ جو مجھے ہر جگہ دیکھتا ہے۔ اور ہر شے مجھ میں دیکھتا ہے اسکی گرفت نہ میں چھوڑ سکتا ہوں نہ وہ میری گرفت چھوڑ سکتا ہے۔

فاش میگویم و از گفتۂ خود دل شادم
بندۂ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم
نیست بر لوح دلم جز الف قامت یار (احمد حزیں)
چہ کنم حرف دگر یاد نداد استادم

۳۱۔ جو وحدت میں قائم ہو کر میری پرستش اس طرح کرتا ہے کہ مجھے ہر مخلوق میں دیکھے۔ وہ یوگی مجھ میں قائم ہے۔ چاہے وہ کہیں ہو اور کسی حالت میں ہو۔

۳۲۔ اے ارجن! جو شخص اپنی طرح سب کو دیکھتا ہے اور ہر چیز کو یکساں سمجھتا ہے خواہ وہ مسرت بخش ہو یا اَلم انگیز۔ وہی مکمل یوگی ہے۔

ارجن نے کہا۔

۳۳۔ اے مدھوسودن! یہ یوگ جسے آپ نے یکسانیت و توازن بتایا ہے۔ اُسے اپنے اضطراب کی وجہ سے مستقل قیام (اپنے اندر) نہیں دیکھتا۔

۳۴۔ اے کرشن! بات یہ ہے کہ دل بہت مضطرب ہے۔ یہ جوشیلا ہے۔ سخت ہے اور مشکل سے زیر ہوگا۔ میں اسے فتح کرنا اتنا ہی مشکل سمجھتا ہوں جتنا آندھی کو۔

مقدس آقا نے فرمایا۔

۳۵۔ اے قوی بازو! اس میں شک نہیں کہ من کو قابو میں کرنا مشکل ہے۔ اس لئے کہ یہ مضطرب ہے۔ لیکن مسلسل زہد اور ترک خواہشات سے وہ قابو میں کیا جا سکتا ہے۔

۳۶۔ ایسا من جو قابو میں نہیں ہے مشکل سے یوگ حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن جس کا دل قابو میں ہے وہ باقاعدہ محنت کر کے یوگ حاصل کر سکتا ہے۔

ارجن نے کہا:۔

۳۷۔ اے کرشن! یہ بتائیے کہ اُس کی کیا حالت ہوگی جس کا دل تو قابو میں نہیں ہے۔ لیکن وہ ایمان رکھتا ہے جس کا دل یوگ سے ہٹ گیا ہے۔ اور یوگ میں کمال حاصل کرنے سے ناکام رہا ہے۔

۳۸۔ دونوں سے گر کے کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ بادل کے ٹکڑے کی طرح فنا ہو جاتا ہو؟ اے لمبے بازوؤں والے! وہ غیر مستقل ہے اور وہ برہم (ذات سرمدی) کے معاملہ میں گمراہ ہے۔

۳۹۔ اے کرشن! میرے اس شک کو مکمل طور پر دور فرمائیے۔ اس لئے کہ آپ کے سوا کوئی دوسرا اس شک کو مٹانے والا نہیں مل سکتا۔

مقدس آقا نے فرمایا۔

۴۰۔ اے پرتھا کے بیٹے! اُس کے لئے نہ اس دُنیا میں تباہی ہے، نہ آئندہ زندگی میں، عزیز من! جو عمل صالح کرتا ہے اُس کی عاقبت کبھی خراب ہوگی

۴۱۔ پاکیزہ افعال کرنے والے جن عالموں کو حاصل کرتے ہیں۔ وہاں عرصۂ دراز تک زندگی بسر کرنے کے بعد جو یوگ سے گر جاتا ہے۔ وہ پھر پاک اور مقدس گھرانوں میں پیدا ہوتا ہے۔

۴۲۔ یا (یہ بھی ممکن ہے کہ) وہ شخص عارف یوگیوں کے خاندان میں پیدا ہو لیکن دُنیا میں ایسا جنم ملنا بہت ہی مشکل ہے۔

۴۳۔ اے ارجن! وہاں وہ اپنے قدیم جسم کی خصوصیات کو پھر حاصل کر لیتا ہے اور ان کے ذریعہ سے وہ پھر حصول نجات کے لئے کوشش کرتا ہے۔

۴۴۔ اُس پہلی مشق کی وجہ سے بلا ارادہ وہ آگے بڑھایا جاتا ہے۔ جو یوگ کے جاننے کی تھوڑی سی بھی خواہش رکھتا ہے۔ وہ ویدوں میں بتائے ہوئے نتائج اعمال پر التفات نہیں کرتا۔

۴۵۔ وہ یوگی جو استقلال سے کام (عمل) کرتا ہے۔ گناہوں سے پاک ہوکر اور متعدد پیدائشوں میں پورے طور پر مکمل ہوکر بلند ترین حالت (نجات) کو حاصل کرلیتا ہے۔

۴۶۔ یوگی کا مرتبہ زاہدان مرتاض سے بلند ہے۔ وہ عارفوں سے بھی بلند ہے۔ یوگی کا درجہ عملی انسان سے بھی بلند ہے۔ لہٰذا اے ارجن تو یوگی ہوجا۔

ملت عشق از ہمہ دینہا جدا ست
عاشقاں را مذہب ملت خدا ست
(مثنوی)

۴۷۔ اور سب یوگیوں سے وہ یوگی میرے نزدیک کامل طور پر متوازن ہے۔ جس کا دل ایمان سے معمور ہے، جس کا نفس میری ذات میں قائم ہے اور وہ میری پرستش کرتا ہے۔

ادم۔ تت ست

اس طرح ختم ہوتا ہے نغمۂ خداوندی کا چھٹا مکالمہ ادھیاتم آتم سینجم یوگ یا تعلیم ضبط نفس جو سری کرشن اور ارجن کے مکالمہ کے سلسلہ میں تعلیم عرفان ہے۔

ساتواں مکالمہ

گیان یوگ یا تعلیم علم و عرفان

اس مکالمہ میں علم معرفت کو جملہ اعمال کا مقصد بتایا گیا ہے۔ یعنی اس کے بغیر نجات ناممکن ہے۔

مقدس خداوند نے فرمایا:۔

۱۔ اے پرتھا کے بیٹے اب سن! کہ کس طرح تو اپنا دل مجھ میں قائم کر کے میرا سہارا لے کر۔ یوگ کرتا ہوا، بلاشک مکمل طور پر مجھے جان سکتا ہے۔

۲۔ میں مکمل طور پر یہ علم و عرفان تجھے بتاؤں گا۔ اسے جاننے کے بعد اس دنیا میں کسی اور چیز کے جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔

۳۔ ہزار میں ایک آدمی مشکل سے ایسا ہوتا ہے جو کمال (خلاصی) حاصل کرنے کی کوشش کرے اور کامیاب کوشش کرنے والوں میں سے مشکل ایک ایسا ہوتا ہے جو میری حقیقت سے واقف ہو۔

۴۔ میری قدرت کی تقسیم ہشت گانہ یہ ہے (۱) مٹی (۲) پانی (۳) آگ (۴) ہوا (۵) اکاش (۶) دل (۷) عقل (۸) خودی۔

۵۔ یہ فطرت پست کی تقسیم تھی۔ اب میری فطرت بلند کو جو عنصر حیات ہے معلوم کر۔ اے قوی بازو۔ اس جان (روح) سے کائنات قائم ہے۔

۶۔ اس کو جملہ ہستیوں کا ماخذ حیات سمجھ۔ میں جملہ کائنات کی [ڈھونڈھتے ہیں آپ سے اس کو پرے شیخ صاحب چھوڑ گھر باہر چلے

پیدائش کا مخرج ہوں۔ اور اس طرح اس کے محو ہو جانے کا بھی مقام ہوں۔

ہم نہ جانے پائے باہر آپ سے
وہ ہی آڑے آگیا جیدھر چلے
(درد)

۷۔ اے دھننجے! مجھ سے بلند تر کوئی نہیں ہے۔ جملہ اشیا (مخلوقات) مجھ میں اس طرح ہم رشتہ ہیں جس طرح موتیوں کی لڑی ایک تاگے میں ہوتی ہے

۸۔ اے کنتی کے بیٹے! میں پینے کی چیزوں کا مزہ ہوں۔ میں آفتاب ماہتاب کا نور ہوں۔ میں جملہ ویدوں میں تعریف کا لفظ (اوم) ہوں (اکاش، ایتھر) میں آواز ہوں۔ اور انسانوں کی موت وحیات۔

۹۔ میں مٹی میں پاک خوشبو اور آگ میں روشنی ہوں۔ میں سب جانداروں کی روح رواں ہوں اور زاہدوں کا زہد ہوں۔

۱۰۔ اے پارتھ! مجھے جملہ جانداروں کا تخم ازلی سمجھو۔ میں عقل العقل ہوں اور جملہ پرشوکت چیزوں کی شوکت ہوں۔

بلبل بہ گل نشاں دہد از رنگ و بوئے تو
پروانہ یا چراغ کند جستجوئے تو
(صاحب کاشانی)

۱۱۔ اے بھرتوں کے آقا! میں زورآوروں کا زور ہوں اور خواہش اور جوش سے آزاد ہوں اور میں مخلوقات میں ایسی خواہش ہوں جو دھرم (فرض) کی مخالف نہیں ہے۔

۱۲۔ یہ بھی جان لے وہ فطرتیں جو سکون سے بنی ہیں اور وہ جو جوش سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور جو تاریک ہیں وہ سب مجھ سے ہیں لیکن وہ مجھ میں ہیں میں اُن میں نہیں ہوں!

۱۳۔ اِن تین صفات (سکون، جوش، ظلمت) سے بن کر اِن فطرتوں نے دُنیا

کو فریب میں ڈال رکھا ہے۔ اسی لئے دنیا مجھے نہیں جانتی، چونکہ میں ان صفات سے بالاتر اور ابدی ہوں۔

۱۴۔ میرے اس خداوندی قدرت (مایا) کی تہہ تک پہنچنا بہت مشکل ہے جو تین صفات کی وجہ سے پیدا کیا گیا ہے وہ لوگ جو میرا ہی سہارا لیتے ہیں وہ اس قوت بزرگ (مایا قدرت) کو عبور کر لیتے ہیں۔

ہر ذرہ نگاہ و غلط، جلوہ خود فریب
عالم دلیل گمرہیِ چشم و گوش تھا
(فانی)

۱۵۔ بدکار اور بے وقوف میرا سہارا نہیں لیتے۔ نہ وہ کمینے میرا سہارا لیتے ہیں جن کا علم مایا (فریب) کی نذر ہو چکا ہے۔ جو عفریتوں کی فطرت میں داخل ہو گئے ہیں

۱۶۔ اے ارجن! چار قسم کے نیک چلن انسان میری پرستش کرتے ہیں —
محبت زدہ عرفان کے طالب (آرزومند اور عالم) یعنی طالب دنیا، ارباب دانش)

۱۷۔ ان میں سے وہ عارف (جو مسلسل یکسانیت قبول کرتا رہتا ہے) صرف ایک کی پرستش کرتا ہے۔ وہی سب سے بہتر ہے۔ میں اس عارف کو سب سے زیادہ محبوب ہوں اور وہ مجھے محبوب ہے۔

۱۸۔ یوں تو یہ سب صاحب شرف ہیں۔ لیکن میں عارف کو اپنی ہی ذات سمجھتا ہوں اس کا نفس متحد ہو کر مجھ پر مرکوز ہو جاتا ہے جو بلند ترین طریق ہے۔

۱۹۔ کئی پیدائشوں کے اختتام پر عارف میرے پاس آتا ہو ایسی بلند روح والے عارف کا

ہر ذرہ آئینہ ہے کسی کے جمال کا
یوں ہی نہ جانئے مری مشت غبار کو
(اصغر گونڈوی)

تلاش کرنا مشکل ہے جو کہے کہ سب کچھ واسودیو ہی ہے۔ | اللہ نور السمٰوٰت والارض (قرآن)

۲۰۔ وہ جن کا علم بے شمار خواہشات آرزوؤں سے پراگندہ ہو گیا ہے۔ دوسرے دیوتاؤں کے پاس جاتے ہیں۔ یہ مختلف رسمیں کرتے ہیں۔ اور اپنی فطرت سے مجبور ہو جاتے ہیں۔

۲۱۔ جو شخص کسی ایک قسم کی عبادت ایمانداری سے کرنا چاہتا ہے تو میں اُس انسان کو اُسی غرض کے لئے مستحکم ایمان بخشتا ہوں۔

۲۲۔ وہ شیدائی بن کر اس ایمان کے ذریعہ سے اُس دیوتا کی عنایت کو حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح وہ رحمتیں حاصل کرتا ہے جس کی اُسے تمنا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں ہی اُن کا عطا کرنے والا ہوں

۲۳۔ ان کم عقلوں کو ثواب بھی محدود ملتا ہے۔ دیوتاؤں کے خدمت گار دیوتاؤں ہی کے پاس جاتے ہیں لیکن میری بندگی کرنے والے پجاری مجھ تک پہنچتے ہیں۔ | جنبش ہر ذرہ با وصل خود ست
ہر چہ بود میل کسے آں شود
(شمس تبریز)

۲۴۔ جو لوگ عقل سے محروم ہیں وہ باوجودیکہ میں غیر فانی ہوں۔ مجھے صاحب بدن سمجھتے ہیں اور میری بلند قدرت سے ناواقف ہیں جو غیر فانی اور بہترین ہے۔

۲۵۔ میں اپنی قدرت کے حجاب میں رہ کر سب پر ظاہر نہیں ہوں۔ یہ فریب خوردہ دُنیا مجھے نہیں جانتی۔ میں غیر مخلوق اور ازلی ہوں۔

۲۶۔ اے ارجن میں اُن جملہ ہستیوں سے واقف ہوں جو گزر چکی ہیں۔ موجود ہیں اور آئندہ آنے والی ہیں۔ لیکن مجھے کوئی نہیں جانتا۔

۲۷ - اے بھارت! ضدین کے دھوکے میں پڑکر جو محبت و نفرت وغیرہ سے پیدا ہوتے ہیں جملہ ہستیاں اس عالم میں فریب خوردہ حالت میں ہیں۔ اے پرنتپ!

> ہو گیا مہماں سرائے کثرتِ موہوم آج
> وہ دل خالی کہ تیرا خاص خلوت خانہ تھا
> (درد)

۲۸- لیکن وہ نیک چلن انسان جن میں گناہ کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ ضدین کے فریب سے آزاد ہو کر میری پرستش کرتے ہیں۔ اور اپنے عہد پر قائم ہیں۔

> اگر جمعیت دل ہے تجھے منظور قانع ہو
> کہ اہل حرص کے کب کام خاطر خواہ ہوتے ہیں
> (درد)

۲۹- جو مجھ میں پناہ لے کر بڑھاپے اور موت سے آزاد ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ ذات ابدی مکمل علم نفس اور پورے عمل سے واقف ہیں۔

۳۰- جو مجھ میں لو لگائے ہیں۔ اور مجھے جملہ مخلوقات۔ دیوتاؤں، اور قربانی سے بالاتر سمجھتے ہیں وہ یقیناً موت کے وقت بھی مجھے نہ بھولیں گے

> ہر آنکس بمن آشنا می شود
> خداوند ہر دو سرا می شود
> (فیضی)

حق حق حق

اس طرح ختم ہوتا ہے نغمۂ خداوندی کا ساتواں مکالمہ گیان یوگ یا تعلیم علم و عرفان جو سری کرشن اور ارجن کے مکالمہ کے سلسلہ میں علم الٰہی ہے۔



آٹھواں مکالمہ

اکھشر برہم یوگ یا عرفان آفریدگار لازوال

اس مکالمہ میں برہم کی صفات کی تفصیل ہے۔

ارجن نے کہا:-

۱۔ اے پرشوتم! ذات ابدی (برہم، علم نفس (ادھیاتم) اور عمل (کرم) کسے کہتے ہیں ادھبوت (جو چیز زوال پذیر نہ ہو) کسے کہا جاتا ہے۔ اور ادھیدیو یا نفس ناطقہ کسے کہتے ہیں۔

۲۔ اس جسم میں قربانی کا علم کیا شے ہے اور انتقال (موت) کے وقت کس طرح آپ کا علم اُن لوگوں کو ہوتا ہے جو ضبط نفس کر چکے ہیں، اے مدھوسودن۔

مقدس آقا نے فرمایا۔

۳۔ برہم ناقابل فنا اور بزرگ ترین ہستی ہے۔ اس کی فطرت ذاتی کو علم نفس کہتے ہیں جس سے سب جانداروں میں سما رہا ہے اور وہ قوت جس سے مخلوقات پیدا ہوتی ہیں۔ کرما کہلاتی ہے۔

جز نقش تو در نظر نیاید مارا
جز کوے تو رہگذر نیاید مارا
خوش آمدہ خواب را در دیدہ
حقا کہ بچشم در نیاید مارا
(حافظ)

۴۔ یا ادھبوت (جو چیز زوال پذیر ہو) میری فطرت فانی سے متعلق ہے اور آدیو میری جان بخش قوت سے تعلق رکھتا ہے۔ قربانی کا علم میرے متعلق یہ بتاتا ہے کہ جسموں میں بھی میں ہی ہوں۔

۵۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ وہ جو جسم کو چھوڑ کر مرتے وقت صرف میرا ہی خیال کرتا ہوا جاتا ہے وہ میری ہستی میں داخل ہو جاتا ہے۔

۶۔ اے کونتیہ! جو شخص اس جسم کے چھوڑنے کے وقت جس چیز کا دھیان رکھتا ہے۔ اسی کے پاس وہ جاتا ہے۔ اور ہمیشہ قدرتاً اُسی سے واصل ہو جاتا ہے۔

۷۔ اس لئے ہر لمحہ میرا ہی تصور قائم رکھ اور جنگ کر۔ نفس (من) اور عقل کو مجھ پر جما کے تو بلاشک میرے پاس پہنچ جائے گا

۸۔ اے پارتھ! جب دل غیر اللہ کے پیچھے نہ بھٹکے۔ اور مسلسل مشق سے متوازن ہو جائے اور ہمیشہ مراقبہ میں رہے۔ تب وہ شخص برہم تک پہنچ جاتا ہے۔

۹۔ وہ جو اُس ذات کا خیال کرتا ہے۔ جو قدیم ہے۔ حاضر و ناظر ہے۔ حاکم مطلق ہے لطیف سے بھی لطیف تر ہے اسب کو سنبھالے ہوئے ہے۔ ناقابل تصور ہے اور جو ظلمت سے پار اور سراسر نور ہے۔

۱۰۔ وہ شخص انتقال کے وقت غیر متزلزل قلب کے ساتھ۔ محویت کے عالم میں۔ یوگ کی قوت سے اپنے انفاس حیات کو اپنے ابروؤں کے درمیان میں کھینچ کر اُس روح اعظم، اُس خداوندی روح تک پہنچ جاتا ہے۔

۱۱۔ وہ چیز جسے وید کے جاننے والے غیر فانی کہتے ہیں۔ وہ مقام جس میں ضبط نفس کرنے والے اور خواہشات سے آزاد انسان داخل ہوتے ہیں۔ وہ شے جس کی آرزو سے برہم آچریہ (تجرد) کرتے ہیں۔ وہ راستہ مختصراً میں تجھے بتاتا ہوں۔

۱۲۔ (حواس کے) سب دروازوں

کو بند کر کے قوت خیال کو دل میں محدود کر کے اور یوگ کے ذریعہ سے نفس حیات کو اپنے دماغ میں مرکوز کرنے کے بعد۔

چشم بند و لب ببند و گوش بند
گر نہ بینی نور حق بر ما بخند
(مثنوی)

۱۳۔ سری لفظ "اوم" کو ورد کرتے ہوئے میری یاد میں لگ کر جو اس طرح جسم کو چھوڑتا ہے وہ سب سے بلند درجہ کو حاصل کرتا ہے۔

۱۴۔ اے پارتھ! وہ متوازن یوگی جو مسلسل میرا دھیان رکھتا ہے اور کسی دوسرے کا خیال نہیں کرتا۔ وہ آسانی سے مجھ تک پہنچ جاتا ہے۔

من و ما و تو داد است یک چیز
کہ در وحدت نباشد ہیچ تمیز
(گلشن راز)

۱۵۔ میرے پاس پہنچکر یہ مہاتما دوبارہ پیدا نہیں ہوتے۔ یعنی مقام محنت اور مقام فنا میں پھر نہیں آتے۔ وہ ایسی جگہ پہنچ جاتے ہیں جہاں فراغت کاملہ حاصل ہوتی ہے۔

۱۶۔ اے ارجن! وہ عالم جو برہما کے عالم سے شروع ہوتے ہیں۔ وہ فنا و بقا کی منزلوں سے گزرتے رہتے ہیں۔ لیکن جو میرے پاس آتا ہے وہ دوبارہ نہیں پیدا ہوتا۔

۱۷۔ جو برہما کے دن کی طوالت ہزار قرن (یگ) اور رات کی طوالت ہزار قرن جانتے ہیں (حقیقت میں) وہی روز و شب سے واقف ہیں۔

۱۸۔ روز روشن کے ظاہر ہوتے ہی غیر مشہود (غائب) سے جملہ مشہود چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور شب کے آتے ہی وہ سب چیزیں غیب میں پوشیدہ ہو جاتی ہیں۔

۱۹۔ گوناگوں مخلوقات مسلسل پیدا ہو ہو کر شب کے آتے ہی فنا ہو جاتی ہیں۔ اور اے پارتھ! قانون قدرت کے مطابق یہ دن نکلتے ہی پھر ظاہر ہو جاتی ہیں۔

۲۰۔ لہذا حقیقت تو یہ ہے کہ اس غیر مشہود سے بلند تر ایک اور غیر مشہود ہستی ہے جو دائمی ہے۔ اور جملہ ہستیوں کے فنا ہونے کے باوجود وہ ذات فنا نہیں ہوتی۔

۲۱۔ اس غیر مشہود کو "ذات غیر فانی یا بے زوال" کہتے ہیں اس کا نام "مقام بقا" ہے جو اس تک پہنچتے ہیں۔ وہ واپس ہو کر دوبارہ پیدا نہیں ہوتے۔ وہی میرا بلند ترین مسکن ہے۔

او بے نشاں محض چہ جوئی از و نشاں
ہر ذرہ بر خدائی او صد نشان دہد
(خواجہ احمدی)

۲۲۔ اس اوج اکبر تک صرف اس کی غیر متزلزل پرستش سے رسائی ہو سکتی ہے۔ جس میں تمام ہستیاں پناہ گزیں ہیں جس نے یہ کائنات پیدا کی ہیں۔

۲۳۔ جس وقت یوگی منتقل ہو کر پیدا نہیں ہوتے اور جس وقت پیدا ہوتے ہیں میں اب اس وقت کا بیان کرتا ہوں۔ اے بھارتوں کے راجہ!

۲۴۔ آگ کی روشنی، دن۔ اُجیالی کے دو ہفتہ، وہ چھ ماہ جس میں سورج شمال کے راستہ پر جاتا ہے۔ ان اوقات میں جو یوگی انتقال کرتے ہیں۔ اور جو ذات ازلی کو جانتے ہیں۔ وہ اسی ذات سے واصل ہو جاتے ہیں۔

۲۵۔ دھواں، رات، اندھیاری کے دو ہفتہ۔ آفتاب کے جنوبی رات کے چھ ماہ۔ ان اوقات میں یوگی انتقال کرنے کے بعد چاندنی سے اثر پذیر ہو ہو کر اس دنیا میں واپس چلے آتے ہیں۔

۲۶- نور و ظلمت دنیا کے غیر فانی راستے کہے جاسکتے ہیں۔ ایک سے وہ جاتا ہے جو واپس نہیں آتا۔ دوسرے راستہ سے جو جاتا ہے۔ وہ پھر واپس چلا آتا ہے۔

۲۷- اے پارتھ! ان راستوں کو جاننے کے بعد یوگی کو کسی طرح پریشان نہیں ہوتا۔ لہذا اے ارجن! ہر وقت یوگ میں مستقل طور پر قائم رہ!

۲۸- وہ عابد جو یہ علم رکھتا ہے۔ وہ ان تمام متبرک جزاؤں سے بلند تر ہو جن کو ویدوں میں، قربانیوں میں ریاضتوں میں اور صدقات میں بتایا گیا ہے ان سب کو جان کر ان سے پار۔ وہ بلند ترین ازلی مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔

چندانکہ ز خود نیست ترم مست ترم
ہر چند بلند پایہ ترم پست ترم
زیں طرفہ تر آنکہ از شراب ہستی
ہر لحظہ کہ ہشیار ترم مست ترم
(خیام)

اوم۔ تت ست

اس طرح ختم ہوتا ہے نغمۂ خداوندی کا آٹھواں مکالمہ الکشر برہم یوگ یا عرفان آفریدگار لازوال جو سری کرشن اور ارجن کے مکالمہ کے سلسلہ میں علم الٰہی ہے۔

نواں مکالمہ

عرفان وراز کا بادشاہ

راج ودیا۔ یا علم کا راجہ کیا ہے۔ خدا سے وصال کا علم۔ یہ وصال عشق صادق سے حاصل ہوتا ہے۔

مقدس خداوند نے فرمایا:۔

۱۔ چونکہ تو نکتہ چینی نہیں کرتا۔ اس لئے میں وہ نہایت خفیہ انسانی اور خداوندی علم بتاتا ہوں۔ جسے جان لینے کے بعد تو برائی سے آزاد ہو جائے گا۔

۲۔ شاہی علم، شاہی راز۔ بہترین تقدس بخش ہے الہامی ہے۔ دھرم کے مطابق ہے اس پر آسانی سے عمل کیا جاسکتا ہے یہ غیر فانی ہے۔

۳۔ اے پرنتپ! وہ لوگ جو اس علم پر ایمان نہیں رکھتے وہ میرے پاس نہیں پہنچتے بلکہ اس دنیائے فانی کی گزرگاہوں میں واپس چلے آتے ہیں۔

۴۔ یہ سب کائنات میں نے پھیلائی ہے۔ یہ میری مشہود مادی قدرت (پرکرتی) سے پیدا ہوئی ہے۔ جملہ مخلوق میرے اندر رہتی ہیں میں اُن کے سہارے پر نہیں رہتا۔

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْط
(اللہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے)
(قرآن کریم)

۵۔ تاہم یہ مخلوقات میرے اندر نہیں رہتیں۔ میری شاہانہ خدائی دیکھ میری روح جو سب چیزوں کا

کعبہ میں کلیسا میں ہم نے تو جہاں دیکھا
اے قصر وفا تیری تعمیر نظر آئی
(فانی)

سرچشمہ ہے۔ سب کی پرورش کرتی
ہے لیکن اُن میں نہیں رہتی۔

۶۔ جس طرح آندھی جو ہر جگہ حرکت کرتی ہے۔ اُس کی جڑ آکاش (ایتھر) میں ہے۔ اسی طرح جملہ ہستیاں میری ذات میں ہیں۔

صورت از بے صورتی آمد برون
باز شد کانّا الیہ راجعون
(مثنوی)

۷۔ اے کونتیہ! تمام ہستیاں ایک زمانہ کے بعد میری فطرت (قدرت، پرکرتی) میں داخل ہو جاتی ہیں۔ اور دوسرے زمانے کے شروع میں اُن کو میں پھر خارج کرتا ہوں۔

۸۔ اُس فطرت میں داخل ہو کر جو میری اپنی ہے میں ان تمام جانداروں کے گروہوں کو بار بار پیدا کرتا رہتا ہوں اور یہ کام خود بخود میری قدرت سے جاری رہتا ہے۔

۹۔ اے دھننجے۔ یہ اعمال مجھے پابند نہیں کرتے۔ میں بلندی پر تخت نشین ہوں اور اعمال سے بے تعلق ہوں۔

۱۰۔ قدرت میرے شاہدہ میں متحرک اور غیر متحرک اشیاء کو پیدا کرتی رہتی ہے۔ اے کونتیہ۔ اسی طرح یہ دورِ کائنات جاری ہے۔

کنت کنزاً مخفیاً فاحببتُ ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف۔
(میں مخفی خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ میں جانا جاؤں تو میں نے خلق کو پیدا کیا تاکہ جانا جاؤں)

۱۱۔ غافل میری طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ جبکہ میں انسانی جامہ میں ہوتا ہوں۔ وہ میری قدرت بلند سے ناواقف ہیں کہ میں مخلوقات کا خداوند اکبر ہوں۔

۱۲۔ امید۔ عمل۔ علم و عقل سے قاصر یہ دیووں، عفریتوں کی پُر فریب اور ظالم

فطرت میں شامل ہوتے ہیں۔

۱۳۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ تمام میری خداوندی قدرت میں حصہ لے کر غیر متزلزل قلب کے ساتھ میری پرستش کرتے ہیں۔ اور وہ جانتے ہیں کہ میں مخلوقات کا غیر فانی سرچشمہ ہوں۔

۱۴۔ وہ ہمیشہ میری تسبیح کرتے ہیں اور اپنے عہد پر استقلال سے قائم ہو کر میرے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔ اور ہمیشہ متوازن ہو کر خلوص کے ساتھ میری عبادت کرتے ہیں۔

۱۵۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو عقل کی قربانی کرتے ہیں۔ اور میری وحدت کی پرستش کرتے ہیں۔ اور کثرت کی بھی۔ جو ہر جگہ موجود ہے۔

۱۶۔ میں نذر و نیاز ہوں میں قربانی ہوں۔ میں متقدین کے لئے نذر ہوں۔ میں جڑی بوٹی ہوں، منتر ہوں۔ گھی ہوں۔ آگ ہوں اور نذر سوختہ ہوں۔

دونوں جہاں میں حسنِ مولیٰ ہی جلوہ گر
غافل ایاز کون ہے محمود کون ہے
(داد)

۱۷۔ میں کائنات کا والد ہوں۔ والدہ ہوں۔ جائے پناہ ہوں۔ بزرگ ہوں مقدس و معروف ہوں۔ لفظ قوت (اوم) ہوں۔ اور رگ، سام، یجُر (وید) ہوں

دشمن ہی کہاں کدھر کو ہی دوست
ہے گرمیِ بزم نہ دیکھیں تو
ویرانیِ وادیِ گماں تو
آبادیِ خانۂ یقیں تو
کرتا ہے یہ کون دیدہ بازی
گر روشنیِ نظر نہیں تو (داد)

۱۸۔ میں راہ سلوک ہوں، شوہر ہوں، آقا ہوں، شاہد ہوں، جائے قیام ہوں۔

جائے پناہ ہوں عاشق ہوں، ماخذ ہوں فنا ہوں، بنیاد ہوں، خزانہ ہوں اور میں ہی لافانی بیج ہوں۔

۱۹۔ میں حرارت بخشتا ہوں، میں بارش دینے اور رد کرنے والا ہوں۔ اے ارجن! میں بقا بھی ہوں اور فنا بھی۔ ہست بھی ہوں اور نیست بھی۔

۲۰۔ تینوں ویدوں کے جاننے والے۔ سوم کا عرق پینے والے معصوم۔ میری عبادت قربانی کے ذریعہ سے کرنے والے۔ مجھ سے بہشت کی دعا کرتے ہیں۔ وہ دیوتاؤں کی حکمرانی کی مبارک دُنیا میں بلند ہو کر جنت میں دیوتاؤں کی دعوتیں کھاتے ہیں۔

۲۱۔ وہ اپنے نیک اعمال کے اندازے تک وسیع عالم بالا کا لطف اُٹھا کر اس فانی دُنیا میں پھر پیدا ہوتے ہیں۔ مقدس کتابوں (ویدوں) کی پیروی کرنے والے بھی خواہشوں کی خواہش کرتے ہوئے اُس چیز کو حاصل کرتے ہیں جو فانی ہے (یعنی یہ زندگی)

۲۲۔ جو صرف میری پرستش مجھے لاشریک مان کر کرتے ہیں۔ اُن متوازن اشخاص کو مکمل سلامتی بخشتا ہوں۔

۲۳۔ اے کنتی کے بیٹے! گو یہ قدیم قاعدے کے خلاف ہے۔ لیکن دوسرے دیوتاؤں کے پجاری بھی، جو ایمان کامل سے عبادت کرتے ہیں۔ میری ہی عبادت کرتے ہیں اگرچہ طریقہ کے خلاف۔

۲۴۔ میں جملہ قربانیوں سے نتیجہ دینے والا مالک ہوں، لیکن وہ حقیقت میں مجھے نہیں جانتے اور اسی وجہ سے وہ دوبارہ پیدا ہوتے ہیں۔

۲۵۔ جو دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں
وہ دیوتاؤں کے پاس پہنچتے ہیں

بزرگ پرست بزرگوں (آباؤ اجداد) تک پہنچتے ہیں۔ عناصر پرست عنصروں کے پاس جاتے ہیں لیکن میری عبادت کرنے والے مجھے پاتے ہیں

زجر عشق یک قطرہ ظہور سر منصور لیست
بظرف ہمت عاشق ازیں کمتر ہمی جلبید
(خواجہ احمیدی)

۲۶۔ جو مجھے خلوص محبت کے ساتھ ایک پتا، ایک پھول، پھل یا پانی نذر کرتا ہے اُسے میں اُس عابد سے قبول کرتا ہوں، چونکہ وہ خلوص و محبت (بھگتی) سے نذر کرتا ہے۔

۲۷۔ اے کنتی کے بیٹے! تیرے اعمال، تیری خوراک، تیری قربانی، تیری داد و دہش، تیرا زہد و تقویٰ سب میری پیش کش کے لئے ہونا چاہیئے

میری نماز و عبادت، میری زندگی و موت۔ سب اللہ کے لئے ہے جو تمام عالموں کا رب ہے۔
(ترجمہ قرآن کریم)

۲۸۔ اس طرح تو نیک و بد اعمال کی بندشوں سے آزاد ہو جائے گا۔ تو ترک دنیا کے یوگ پر عمل کر کے آزاد ہو جائے گا اور میرے پاس پہنچ جائے گا

جملہ مخلوقات میری نظر میں یکساں ہیں میرے لئے نہ کوئی دوست ہے نہ قابل نفرت۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جو دلدادہ از سر اخلاص میری بھگتی (خدمت) کرتے ہیں وہ مجھ میں ہیں اور میں اُن میں

او در دل ماست و دل من بدست او
چوں آئینہ بدست من و من در آئینہ

۳۰۔ اگر وہ بھی جو نہایت گناہگار ہے میری پرستش یکسوئی سے کرے

خیام ایں از بہر گنہ ماتم چیست
وز خوردن غم فائدہ بیش و کم چیست

وہ بھی پاکباز شمار کیا جائے گا
چونکہ اس نے صحیح راستہ اختیار
کیا ہے۔

آں را کہ گنہ بجز د عفراں بنود
عفراں زبرائے گنہ آمد غم چیست (خیام)
نہ ہوتی خطا پوشی پہ کیوں ناز گنہگاری
نشانِ شانِ رحمت بن گیا داغ سیہ کاری (حسینی)

۳۱۔ اے کونتیہ! وہ شخص نہایت تیزی سے پاکباز ہو جائے گا اور دائمی مسرت حاصل کرے گا۔ یقیناً میرا بھگت کبھی فنا نہیں ہوتا۔

۳۲۔ اے پارتھ! جو لوگ مجھ میں پناہ
لیتے ہیں۔ خواہ وہ گناہ ہی سے
کیوں نہ پیدا ہوئے ہوں۔ خود
وہ عورتیں ہوں۔ ویش ہوں۔
حتیٰ کہ شودر ہوں۔ لیکن وہ بھی
بلند ترین راستہ پر چلتے ہیں۔

میخور کہ علم دست گیرد نہ عمل
الا کرم و رحمت حق عزّ و جل
ایں طائفہ کہ از خری مے نخورند
از جملۂ انعام شمار اے احوال (خیام)

۳۳۔ متبرک برہمنوں اور مقدس راج رشیوں کا تو ذکر ہی کیا۔ چونکہ تو اس ناپائدار اور غمناک دنیا میں آیا ہے۔ لہذا میری پرستش کر۔

۳۴۔ صرف مجھ پر اپنا دل جما۔ میرا شیدائی بن۔ میرے لئے قربانی کر۔ مجھے سجدہ کر اور اس طرح اپنے نفس کا توازن قائم کر کے اور مجھے مقصد اعظم بنا کر تو مجھ سے واصل ہوگا۔

اوم۔ تت۔ ست

اس طرح ختم ہوتا ہے نغمۂ خداوندی کا نواں مکالمہ جسے عرفان و راز کا بادشاہ کہتے ہیں جو سری کرشن اور ارجن کے مکالمہ کے سلسلہ میں علم حقیقت الٰہی ہے۔

دسواں مکالمہ

جلوہ ہائے خداوندی کا یوگ

اس فصل میں خدا کی صفات کی تفصیل ہے اور بتایا گیا ہے کہ خدا کا جلوہ ہر شے میں ہے۔ لیکن وہ سب سے بلند ہے۔

مقدس آقا نے فرمایا۔

۱۔ ہاں اے قوی بازو! پھر میرے بزرگ الفاظ کو سن! جن کا اظہار تیری بھلائی کے لئے کیا جاتا ہے چونکہ تو میرا محبوب ہے۔

۲۔ دیوتاؤں، یا رشیوں کا گروہ میری پیدائش کو نہیں جانتا۔ چونکہ میں جملہ دیوتاؤں اور رشیوں سے اول ہوں۔

۳۔ جو مجھے جانتا ہے کہ میں غیر مخلوق ہوں، ازلی ہوں اور مالک الملک ہوں۔ وہی فانی انسانوں میں ایسا ہے جو دائرۂ جہل سے نکل کر جملہ گناہوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔

۴۔ عقل معرفت۔ عدم فریب۔ عفو صدق۔ ضبط حواس، اطمینان۔ لذت و الم پیدائش و فنا، خوف و جرأت۔

۵۔ غیر ایذا رسانی یکساں بودن با ہر کس۔ قناعت، زہد، خیرات، شہرت و بدنامی یہ ہیں مختلف خصوصیات جانداروں کی جو مجھ سے پیدا ہوتی ہیں۔

۶۔ سات بڑے رشی[1]۔ قدیم چودہ[2] (کمار) اور منو[3] میری قدرت اور نفس سے

---

[1] کنوارے نوجوان جو اس دنیا کے بلند ترین بزرگ سمجھے جاتے ہیں۔

[2] کسی نسل کے سردار اور قانون ساز۔

پیدا ہوئے ہیں۔ اُن سے یہ نسل بڑھتی ہے۔

۷۔ جو میرے جلال اور طاقت کی حقیقت سے واقف ہے۔ وہ بلا شک و شبہ یوگ سے توازن حاصل کرتا ہے۔

۸۔ میں سب کا خالق ہوں۔ سب کی ارتقا مجھ سے ہوتی ہے۔ یہ بات سمجھ کے عارف محویت کے عالم میں میری عبادت کرتے ہیں۔

۹۔ وہ میرا ہی تصور کر کے اپنی جان کو مجھ میں گم کر کے ایک دوسرے کو میری باتیں سمجھاتے ہوئے۔ ہمیشہ میرا ہی ذکر کرتے ہوئے مطمئن اور مسرور رہتے ہیں

۱۰۔ ان لوگوں کو جو ہمیشہ توازن قائم رکھتے ہیں اور میری عبادت بھگتی سے کرتے ہیں۔ میں عقل کا یوگ (بدھی یوگ) دیتا ہوں جس کی وجہ سے وہ میری حضوری حاصل کرتے ہیں۔

۱۱۔ اُن پر خالص رحم کی وجہ سے میں اُن کے نفوس میں حلول کر جاتا ہوں اور میں اس تاریکی کو جو جہالت سے پیدا ہوئی۔ معرفت کے روشن چراغ سے دُور کر دیتا ہوں۔

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است
من نگنجم ہیچ در بالا و پست
در زمین و آسمان و عرش نیز
من نگنجم این یقین دان اے عزیز
در دل مومن بگنجم اے عجب
گر مرا جوئی در آں دلہا طلب (مثنوی)

پرتو حسنت نگنجد در زمین و آسماں
بسکہ حیرانم در دل سینہ چوں جا کردہ (عاقل)

ارجن نے کہا:۔

۱۲۔ تو عظیم ترین برہم ہے۔ سب سے اونچا درجہ ہے۔ مکمل پاکیزگی ہے۔ اور سرمدی وخداوندی ذات ہے۔ تو خدائے اولین ہے۔ غیر مخلوق۔ مالک۔

۱۳۔ سب رشیوں نے یوں ہی آپ کی تمجید کی ہے۔ اسی طرح مقدس رشی نارد نے بھی فرمایا ہے اسی طرح آست دیول۔ اور ویاس نے کہا ہے۔ اور اب آپ بھی یہی فرماتے ہیں۔

۱۴۔ کیشو! جو کچھ آپ فرماتے ہیں حق ہے۔ میں ایمان لاتا ہوں۔ اے مقدس آقا آپ کے ظہور کو نہ تو دیوتا ہی سمجھ سکتے ہیں نہ دانو (معمولی درجہ کے دیوتا یا اولیا اللہ)

۱۵۔ اے پرشوتم! حقیقت یہ ہے کہ آپ خود اپنی ہستی سے واقف ہیں۔ آپ مخلوقات کا سرچشمہ ہیں۔ اور اُن کے مالک۔ آپ دیوتاؤں کے دیوتا ہیں۔ اور دُنیا کے حاکم۔

۱۶۔ کرم فرما کے۔ واضح طور پر اپنے خداوندی جلال کا اظہار فرمائیے جس کی وجہ سے ان عالموں میں جاری وساری ہو کر تو باقی ہے۔

برانگن پردہ تا معلوم گردد
کہ یاراں دیگرے را می پرستند

۱۷۔ اے راز والی ہستی میں کسی طرح تیرا مراقبہ کر کے تیری معرفت حاصل کر سکتا ہوں۔ اے آقائے جبّار! میں کس کس رنگ میں تیرا دھیان کر سکتا ہوں۔

۱۸۔ اپنے یوگ اور جلال کا حال بالتفصیل پھر بیان فرمائیے۔ آپ کے حیات بخش کلمات سے میں کبھی سیر نہیں ہو سکتا۔

مقدس آقا نے فرمایا۔

۱۹۔ تجھ پر سلامتی ہو، میں اپنی خداوندی عظمت کا حال مع اس کی خاص خاص صفات کے بیان کرتا ہوں۔ اے کوروں کے برگزیدہ انسان! میری صفات کی کوئی حد نہیں ہے۔

۲۰۔ اے گڈاکیش! میں وہ آتما ہوں | انا من اھوی ومن اھوی انا

جو سب جانداروں کے درمیان میں قائم ہے۔ اور میں سب مخلوقات کی ابتدا۔ وسط اور انتہا ہوں۔

نحن روحان حللنا بدنا
فاذا ابصرتنی ابصرته
واذا ابصرته ابصرتنا (شمس تبریز)
(جس سے مجھے محبت ہے وہ اور میں ایک ہی ہوں)

۲۱۔ ادیتوں میں وشنو ہوں۔ روشن چیزوں میں خورشید درخشاں ہوں، ہواؤں میں مریچی ہوں۔ اور ستاروں کے مجموعوں میں ماہتاب ہوں۔

۲۲۔ میں ویدوں میں سام وید ہوں۔ دیوتاؤں میں اندر ہوں۔ حواس میں من ہوں اور جانداروں کا ہوش ہوں۔

۲۳۔ رُدروں میں شنکر ہوں۔ دیوؤں اور راکھشسوں میں وتیش ہوں وسوؤں کا پاوک ہوں اور بلند پہاڑوں میں میرو ہوں۔

۲۴۔ اے پارتھ! مجھے جان لے کہ میں پروہتوں میں برہسپتی ہوں سپہ سالاروں میں اسکند ہوں اور پانی والی جگہوں میں عمان ہوں۔

۲۵۔ بڑے رشیوں میں بھرگو ہوں۔ کلام میں کلمہ خاص (اوم) ہوں۔ قربانیوں میں ذکر خفی ہوں اور غیر متحرک چیزوں میں ہمالیہ ہوں۔

۲۶۔ درختوں میں اسوتھ (پیپل) ہوں۔ اولیاء اللہ میں نارد ہوں۔ گندھروں (نورانی ہستیوں) میں چتررتھ ہوں اور کاملوں میں کپل منی ہوں۔ یہ مہنی (PERSONEL GOD) یا شخصی خدا کا منکر ہے)

۲۷۔ مجھے گھوڑوں میں اُچے شروا جان لے جو امرت (آب حیات) سے مخلوق ہے۔ میں ہاتھیوں میں ایراوت اور آدمیوں میں بادشاہ ہوں۔

۲۸۔ ہتھیاروں میں صاعقہ ہوں گایوں میں کام دھوک ہوں۔ مورتوں

(۲۶ - ۲۸)
هوالاول والاخر والظاهر والباطن
- (سورہ حدید)

میں کنڈرپ ہوں اور ساپنوں میں واسوکی ہوں۔

ترجمہ:- وہ اوّل ہے، وہ آخر ہے۔ وہ ظاہر ہے، وہ باطن ہے۔

۲۹۔ ناگوں[1] میں اننت ہوں ساکنان بحر میں ورُن ہوں، متقدمین میں اریما ہوں، اور سزا دینے والوں میں یم ہوں۔

۳۰۔ دیتوں[2] میں پرہلاد ہوں۔ محاسبوں میں زمانہ اجل ہوں جنگلی درندوں میں شاہ حیوانات (شیر) ہوں اور پرندوں میں وِنیتیا ہوں۔

۳۱۔ تیز چلنے والوں میں ہوا ہوں۔ ہتھیار بندوں میں رام ہوں، مچھلیوں میں مگرمچھ ہوں اور دریاؤں میں گنگا ہوں۔

۳۲۔ اے ارجن! مخلوقات میں ابتدا وسط اور انتہا ہوں علوم میں علم الٰہی (برہم ودّیا) ہوں اور خطیبوں کی زبان بھی میں ہی ہوں

۳۳۔ حروف میں الف ہوں، اور مرکبات کی ترکیب ہوں۔ میں غیر محدود زمانہ ہوں۔ اور میں ہی محافظ ہوں جس کا منھ ہر طرف ہے

اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (قرآن کریم)
(جدھر دیکھو اللہ ہی اللہ ہے)

۳۴۔ میں سب کو فنا کرنے والی موت ہوں اور جو آئندہ پیدا ہوگا اس کا سرچشمہ ہوں اور مؤنث صفات میں شہرت، دولت، تقریر، حافظہ، ذہن، استقلال اور عفو ہوں۔

۳۵۔ مناجاتوں میں برہت سامن ہوں اور ویدوں میں گائتری ہوں، مہینوں میں اگھن (مارگھ سیرش) ہوں، موسموں میں موسم بہار ہوں

۳۶۔ چالاکوں میں جوا ہوں۔ پُرعظمت اشیا کا جلال ہوں۔ میں فتح ہوں

جدھر دیکھتا ہوں جہاں دیکھتا ہوں
خدا ہی کا جلوہ میاں دیکھتا ہوں

---

[1] وہ سانپ جو عقل کی تعلیم دیتے ہیں۔ [2] دیوزادیا بن انس

استقلال ہوں اور حقیقت شناسوں
کی حقیقت ہوں، میں ہی ہوں
دور آوروں کی قوت

یہ جو کچھ کہ پیدا ہے سب عین حق ہے
کہ میں بحرِ ہستی رواں دیکھتا ہوں
(نیاز)

۳۷- ورزشیوں کا واسودیو ہوں۔ پانڈوؤں میں دھننجے ہوں۔ صوفیوں میں ویاس ہوں اور شاعروں میں اُشنا معنی ہوں۔

۳۸- میں حکمرانوں میں عصائے حکومت ہوں۔ خواہانِ ظفر کے لئے انصاف ہوں۔ رازوں میں خاموشی ہوں اور عارفوں کی معرفت میں ہی ہوں۔

۳۹- جملہ اشیا کے اندر جو بیج ہے وہ میں ہوں۔ غرضکہ کوئی متحرک یا ساکن چیز ایسی نہیں ہے جو بغیر میرے موجود رہ سکے (یا پیدا ہو سکے)

معمور ہو رہا ہے عالم میں نور تیرا
از ماہ تا بماہی سب ہے ظہور تیرا
دھوکے ہیں یہ جلوے نقش و نگار کثرت
گر سرِ معرفت کو پاوے شعور تیرا (نیاز)

۴۰- میری صفات خداوندی کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اے پرنتپ! جو کچھ بھی بیان کیا گیا ہے اُس سے میری عظمت و جلال کا محض ایک اندازہ ہو سکتا ہے۔

۴۱- بس یہ سمجھ لے۔ جو کچھ بھی اس دنیا ہے عظمت، سعادت، جمال و جلال ہے۔ وہ میری عظمت و جلال کا ایک جزو قلیل ہے۔

۴۲- لیکن اے ارجن! ان جزئیات کے علم سے تجھے کیا حاصل۔ میں نے اپنے جزو قلیل سے اس کائنات کو معمور کر دیا ہے۔ اور میں اپنے ایک جزو سے دنیا کے بنانے کے باوجود جیسا تھا ویسا ہی موجود ہوں۔

حق حق حق

اس طرح ختم ہوتا ہے نغمۂ خداوندی کا دسواں مکالمہ جلوہ ہائے خداوندی کا یوگ جو سری کرشن اور ارجن کے مکالمہ کے سلسلہ میں علم الٰہی ہے

گیارھواں مکالمہ

مشاہدۂ جلوۂ الٰہی یا ذات مطلق کا درشن

اس مکالمہ میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح ارجن نے مشاہدہ جمال خداوندی کیا اور جلوۂ الٰہی سے خوف و حیرت طاری ہوگئی۔

ارجن نے کہا:-

۱۔ از راہ ترحم آپ نے روح کا راز عظیم ظاہر فرمایا ہے۔ اس سے میرا دھوکہ دور ہوگیا ہے۔

۲۔ اے کنول کی سی آنکھوں والے! میں نے آپ سے مخلوقات کی تخلیق اور فنا کا مفصل حال سُنا اور آپ کی غیرفانی عظمت کا بھی حال معلوم ہوا۔

۳۔ اے پرمیشور (خالق اعظم) جس طرح آپ نے اپنے جلال کا اظہار فرمایا ہے اسی طرح میں آپ کے ہمہ گیر جمال کا مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں۔

۴۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں آپ کے جمال کی تاب نہ لاسکوں گا (اے آقا) تو میں یہ عرض کرتا ہوں کہ (اے یوگ کے مالک) مجھے اپنی غیرفانی صورت کی زیارت کرا دیجئے۔

> تاب نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں
> اور بنجائیں گے تصویر جو حیراں ہونگے
> (مومن)

مقدس آقا نے فرمایا:-

۵۔ اے پارتھ! دیکھ میرے مظاہر دیکھ، صد گونہ، ہزار گونہ، مختلف اقسام کے خداوندی مظاہر (صورتیں) دیکھ جس میں گوناگوں شکلیں اور رنگ ہیں۔

۶۔ آدیتوں، وسوؤں، رُدروں، اشونوں اور مرتس کو دیکھ۔ اے بھارت اُن عجائبات کو دیکھ جن کو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔

۷۔ یہاں آج کل کائنات کو دیکھ لے متحرک اور ساکن سب میرے جسم میں قائم ہیں۔ اے گڈاکیش! اور جو کچھ تو دیکھنا چاہتا ہو۔ وہ بھی اس میں موجود ہے۔

۸۔ لیکن تو ان فانی آنکھوں سے مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ میں تجھے خداوندی آنکھیں عطا کرتا ہوں۔ دیکھ، میرا جلالی یوگ دیکھ۔

روبرو چشم تصور کے وہ ہر وقت رہے
نہ کبھی آنکھ نے ان کا جو نظارہ نہ کیا
(حسرت)

سنجے نے کہا:۔

۹۔ اے راجہ! یہ کہہ کر یوگ کے خداوند اعظم ہری (کرشن) نے پارتھ کو اپنا پُرعظمت جلوہ (روپ) بحیثیت ایشور کے دکھایا۔

۱۰۔ جس میں متعدد آنکھیں اور منہ تھے۔ بہت سے عجیب منظر تھے۔ بے شمار خداوندی زیور تھے اور بہت سے خدائی ہتھیار تھے جو بلند تھے۔

۱۱۔ آسمانی ہار اور کپڑے پہنے ہوئے بہشتی خوشبوؤں میں بسی ہوئی وہ محیر عالم ہستی (اس طرح ظاہر ہوئی) کہ اُس کا منہ ہر طرف تھا۔

۱۲۔ اگر ہزاروں آفتاب یکایک آسمان پر رونق ہو جائیں۔ تب شاید اُس مہاتما کے جلال کی مانند ہوں۔

اے نور چشم عقل و جاں بر تخت دل سلطاں توئی
چوں صد ہزاراں ماہ و خور بر آسماں تاباں توئی
ہم ساکن و جنباں توئی یکساں نی صدساں توئی
پستی توئی بالا توئی ہم تن توئی ہم جاں توئی
(شمس تبریزی)

۱۳۔ وہاں ارجن نے کل کائنات کو اس طرح دیکھا کہ وہ بہت سے حصوں میں منقسم ہے اور سب ایک ساتھ خداؤں کے خدا کے جسم میں موجود ہے۔

۱۴۔ تب وہ (دھننجے) دریائے حیرت میں غرق ہو گیا۔ جسم پر رونگٹے کھڑے ہو گئے اور اس نورانی ہستی کے سامنے ہاتھ جوڑ کر سجدہ کیا اور کہنے لگا۔

> چاک پردے سے یہ غمزے ہیں تو اے پردہ نشیں
> ایک میں کیا کہ سبھی چاک گریباں ہوں گے
>
> (مومن)

ارجن نے کہا:۔

۱۵۔ اے خدا میں تیری شکل کے اندر جملہ دیوتاؤں کو دیکھ رہا ہوں۔ اس میں مخلوقات کے مدارج (ارتقا) صاف صاف نظر آرہے ہیں۔ برہما اپنے کنول کے تخت پر جلوہ افروز ہے سب خدا دندی رشی اور سانپ موجود ہیں

۱۶۔ جس کے بے شمار منھ، آنکھیں، ہاتھ اور سینہ ہیں۔ ہر جگہ تیری ذات نظر آتی ہے۔ اے غیر محدود شکل نہ تو مجھے (اے غیر محدود آقا) تیری ابتدا معلوم ہوتی ہے نہ وسط اور نہ انتہا (اے لامتناہی ہستی)

> دانۂ خرمن ہے ہیں قطرۂ ہے دریا ہم کو
> آئے ہے جزمیں نظر کل کا تماشا ہم کو
>
> (مومن)

۱۷۔ میں دیکھتا ہوں کہ ہر جگہ جلال ہی جلال ہے مجھے (چکر) گرز اور ترسول نظر آرہے ہیں، جو آگ کی طرح روشن ہیں اور آفتاب کی روشنی کی طرح نظر کو خیرہ کرتے

> کامل ہو جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا
> باقی ہو جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا
>
> (حالی)

ہیں۔ لامحدود فضا میں ہر طرف
تیرا ہی جلوہ ہے۔

۱۸۔ میں نے دیکھا کہ تو جاننے کے لائق ہے، غیر فانی ہے۔ اور عظیم ہے۔ تو اس دنیا کا سب سے بڑا خزانہ ہے۔ دھرم کا محافظ ہے اور میں تجھے قدیم ہستی مانتا ہوں۔

۱۹۔ تیرا نہ آغاز ہے، نہ وسط ہے نہ انتہا، غیر محدود قوت، لاتعداد بازو سورج چاند کی سی آنکھوں والے۔ میں قربانی کی آگ کی طرح تیرا چہرہ دیکھ رہا ہوں اس کا جلال اپنے نور سے عالموں کو منور کر رہا ہے۔

۲۰۔ زمین، آسمان اور ان دونوں کے درمیانی خطے اور سمتیں سب تیرے جلوے سے معمور ہیں۔ اے جبار! تیرے جبروتی اظہار صورت کے سامنے تینوں عالم سر بسجود ہیں۔

در بتکدہ تا خیال معشوقۂ ماست
رفتن بطواف کعبہ از عین خطاست
گر کعبہ ازو بوے ندارد کنشت است
با بوئے وصال او کنش کعبہ ماست
(شمس تبریز)

۲۱۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ دیوتاؤں کے گروہ تیرے اندر جا رہے ہیں، بعض خوف سے ہاتھ جوڑ کر تیرے سامنے گڑگڑاتے ہیں۔ بڑے رشی اور سدھ سب تیری تسبیح کرتے ہیں۔ اور شاندار بھجن تیری تعریف میں گاتے ہیں۔

۲۲۔ رُدر، وسو، سادھیہ، آدتیہ، وشو، اشون، مُروت، اُشمپ، گندھرو یکھش، سِدھ، اسور (غرضیکہ جملہ مافوق الفطرت قوتیں)، سب تیرے جلوے سے متحیر ہیں۔

۲۳ میں اور تمام دنیا تیری مہیب صورت کو دیکھ کر لرز رہے ہیں وہ زبردست صورت، جس میں بے شمار منہ اور آنکھیں ہیں، دراز بازو ہیں، لاتعداد

پیر اہیں۔ فراخ سینہ ہے اور بے شمار آتشیں دانت ہیں۔

۲۴۔ رنگ برنگ کی نورانی شکل والے تو آسمان تک ہیں۔ منھ کھلے ہوئے ہیں۔ بڑی آنکھوں والے دشنو! میرا دل کانپ رہا ہے۔ تجھے دیکھ کر میری طاقت اور سکون فنا ہو گیا ہے۔

دلِ بے تاب جو قابو میں نہیں ہے حسرت
نگہِ ناز نے کیا جانیئے کیا دیکھا ہے
(حسرت)

دیارِ حسن میں اللہ رے وارفتگی دل کی
انھیں سے پوچھتا ہوں بیخودی میں مدعا اپنا
(سہیل)

۲۵۔ زمانہ کے تباہ کن شعلوں کی طرح تیرے دانت نظر آتے ہیں۔ جو کھڑے ہوئے ہیں اور کشادہ جبڑوں میں پھیلے ہوئے ہیں نہ مجھے کوئی جائے پناہ معلوم ہوتی ہے نہ ٹھہرنے کی جگہ، اے خدا رحم! اے کل عالموں کے ملجا و ماوی رحم!

۲۶۔ دھرت راشٹر کے بیٹے اور اُن کے ساتھ کل دُنیا کے راجاؤں کا گروہ بھیشم دردن۔ سوت کا لڑکا (کرن) اور میری طرف کے سب شریف ترین جنگ جو۔

۲۷۔ تیرے کشادہ منھ میں دوڑتے ہوئے جا رہے ہیں، جس میں خوفناک دانت ہیں۔ اور دیکھنے میں مہیب ہیں۔ کچھ لوگ آپ کے دانتوں کی ریخوں میں پھنس گئے ہیں۔ اور ان کے سر پس کر سُرمہ ہو گئے ہیں۔

۲۸۔ جس طرح دریاؤں کا سیلاب تیزی سے رواں ہوتا ہے۔ اور سمندر کی گود میں زور دل سے گرتا ہے، اسی طرح یہ قوی آدمی، یہ دُنیا کے راجہ تیرے شعلہ فشاں منھ میں اپنے آپ کو ڈالتے ہیں۔

۲۹۔ جس طرح روشن شعلہ پر بے تابانہ پرواز کر کے تیز رفتاری سے پروانے گرتے ہیں۔ اور فنا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ تیزی سے تیرے منھ

میں گر رہے ہیں تاکہ فنا ہو جائیں۔

۳۰۔ ہر طرف سے عالم سوز شعلے اپنی آتشیں زبانوں سے انسانوں کو چاٹ رہے ہیں۔ تیرے جلال سے فضا معمور ہے۔ اے وشنو! تیری سوزندہ شعاعوں سے کائنات جل رہی ہے۔

حق آتشے افروختہ تا ہر چہ ناحق سوختہ
آتش بسوز و قلب را۔ بر قلب آں آتش زند
(شمس تبریز)

کیا پوچھتا ہے ہمدم اس جسم ناتواں کی
رگ رگ میں نیش غم ہے کہیے کہاں کہاں کی
(بیگم جان دختر دربار محمد شاہ)

۳۱۔ اے ہیبت ناک شکل والے میں آپ کو آغاز سے جاننا چاہتا ہوں۔ مجھ سے اپنی حقیقت بیان فرمایئے، میں آپ کو سجدہ کرتا ہوں، رحم! خداوند برتر، رحم!! میں آپ کی اس شکل کو دیکھ کر حیرت زدہ ہوں۔

مقدس خداوند نے فرمایا:۔

۳۲۔ میں زمانہ ہوں اور دنیا کو فنا کرنے کے لئے ظاہر ہوا ہوں ان بہادروں میں سے جو صف بستہ کھڑے ہیں ایک بھی نہ بچے گا۔ اگر تو نہ بھی لڑے تو کوئی زندہ نہ رہے گا۔

۳۳۔ لہذا کھڑا ہو اور اپنے لئے شہرت حاصل کر، اپنے دشمنوں کو زیر کر اور زرخیز سلطنت کا لطف اٹھا، میں انھیں ختم کر ہی چکا ہوں، اب تو ظاہری سبب بن۔ اے بائیں ہاتھ والے!

۳۴۔ درون اور بھیشم، جیدرتھ اور کرن اور جملہ دیگر لڑنے والوں کو میں نے قتل کر دیا ہے۔ ان کو بے خوفی سے تباہ کر، جنگ کر۔ میدان کارزار میں اپنے رقیب کو یقیناً تو شکست دے گا۔

سنجے نے کہا:۔

۳۵۔ کیشو کے یہ الفاظ سُن کر اُس تاجدار نے ہاتھ جوڑ کر کانپتے ہوئے سجدہ کیا اور خوف سے لکنت کرتے ہوئے سر خم کر کے یوں گویا ہوا۔

ارجن نے کہا:۔

۳۶۔ ہریشی کیش بجا طور پر دُنیا تیری عظمت و جلال کے گیت گا کر مسرور ہوتی ہے۔ راکشس خوف سے ہر طرف بھاگتے ہیں اور سِدھوں کے گروہ سجدہ کرتے ہیں۔

۳۷۔ اے مہاتما! وہ کیوں نہ تیرا سجدہ کریں تو سبب اوّل ہے۔ برہما کا بھی بنانے والا تو ہی ہے۔ اے لامتناہی خداؤں کے خدا، کل عالموں کے سہارے لافانی غیر مبدل اور مبدل وہ "ذاتِ اعظم"۔

۳۸۔ تو ہی دیوتاؤں کا سردار ہے اور سب سے قدیم ہستی ہے۔ اور کل جاندار وں کا عظیم ترین مخزن ہے۔ عالم و معلوم، آسمانی مکان، تیری وسیع ذات میں کل کائنات پھیلی ہوئی ہے۔

۳۹۔ تو ہوا ہے۔ یم ہے۔ اگنی ہے چاند ہے، تو ورن ہے، باپ ہے۔ اور سب کا بزرگ ہے۔ سلام سلام، تجھ پر ہزار سلام، تجھ پر بار بار سلام (یا سجود)

بستے ہیں تیرے سایہ میں سب شیخ و برہمن
آباد ہے تجھ سے ہی تو گھر دیر و حرم کا
(دکھاد)

۴۰۔ تیرے آگے سجدہ، تیرے پیچھے سجدہ، اے ذاتِ کل تیرے ہر طرف سجدہ، لامحدود قوت، اور بے پایاں طاقت سے تو سب کو سہارا دئے ہوئے ہے تو خود ہی کل ہے (ہوالکل)

۴۱۔ اگر کبھی اپنا دوست سمجھ کے میں نے شوخی سے تجھے پکارا کہ اے کرشن اے یادو

اے دوست! چونکہ میں تیرے اس جلال سے ناواقف تھا۔ اور محبت کی شیفتگی میں وارستہ تھا۔

۴۲۔ اگر بے تکلفی سے تفریح، آرام یا کھانے کے وقت میں نے کبھی بے ادبی کی ہو۔ اے ذات معصوم! یا کبھی دوستوں کے سامنے یا تنہا کوئی گستاخی کی ہو تو اے ذات لاانتہا ہی معاف فرما۔

اُمید عفو ہے ترے انصاف سے مجھے
شاہد ہے خود گناہ کہ تو پردہ پوش تھا
(فانی)

میری خطا پہ آپ کو لازم نہیں نظر
یہ دیکھیے کہ آپ کی شانِ عطا ہے کیا
(حسرت)

۴۳۔ عالموں کے باپ۔ متحرک اور ساکن اشیاء کے والد، تو بزرگ ترین مرشد ہے تجھ سا کوئی اور نہیں ہے۔ نہ تجھ سے کوئی برتر ہے۔ کل عالموں میں تیری ذات بلند تر ہے

۴۴۔ لہٰذا میں تیرے سامنے گرتا ہوں اور اپنے جسم سے مناسب عبادت کرتا ہوں مجھ پر رحمت نازل فرما، جیسا باپ بیٹے کے لئے، دوست دوست کے لئے محبوب حبیب کے لئے ہوتا ہے۔ تو میرے لئے ہو جا۔

۴۵۔ میں نے وہ دیکھا ہے جو کسی نے کبھی نہیں دیکھا۔ میرا دل مسرور ہے۔ لیکن خوف سے لرز رہا ہے۔ اے خدا مجھے اب اپنی دوسری صورت دکھا۔ رحم! اے خداؤں کے خدا، اے دنیاؤں کے مسکن رحم!!

۴۶۔ سر پر تاج، ہاتھوں میں عصا اور چکر، میں پھر اس پہلی حالت میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اے آقا! اے ہزار ہاتھوں والے۔ اے ان گنت شکلوں والے! اپنی چار بازوؤں والی صورت پھر بنا لیجئے۔

مقدس خداوند نے فرمایا۔

۴۷۔ اے ارجن تو نے میری عنایت دیکھ لی اور یہ جلالی صورت میں نے اپنے یوگ سے ظاہر کی۔ اس ذات کو تیرے سوا کسی نے نہیں دیکھا، جو روشن غیر متناہی اور اوّلین ہے۔

سرِّ خدا کہ عارف سالک بہ کس نہ گفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید
(حافظ)

۴۸۔ انسان اس شکل کا درشن نہ تو قربانی سے حاصل کر سکتا ہے نہ ویدوں سے، نہ خیرات سے اور نہ اعمال سے۔ اور نہ یہ زیارت، ریاضت شاقہ اور گہرے مطالعہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اے کوروؤں کے سردار! صرف تجھے یہ سعادت نصیب ہوئی ہے۔

۴۹۔ اس وجہ سے حیران و پریشان نہ ہو کہ تو نے یہ مہیب صورت دیکھی ہے۔ خوف کو دور کر، اور دل کو مطمئن ہونے دے۔ اب پھر میری معمولی شکل دیکھ سنجے نے کہا:

۵۰۔ اس طرح واسودیو نے ارجن سے کہہ کر اپنی اصلی شکل اختیار کر لی۔ اور خوفزدہ ارجن کو تسکین دینے لگے اور مہاتما نے پھر اپنی نرم وضع اختیار کر لی۔

ارجن نے کہا:۔

۵۱۔ اے جناردن آپ کی کریمانہ وضع دوبارہ دیکھ کر میرے حواس بجا ہو گئے اور اب میں اپنی اصلی حالت پر واپس آ گیا ہوں۔

وائے ناکامی نہ سمجھا کون ہے پیشِ نظر
میں کہ حسنِ یار کا محو تماشا ہو گیا
(حسرت)

مقدس آقا نے فرمایا:۔

۵۲۔ جس شکل کو تو نے دیکھا ہے اس کا دیکھنا بہت مشکل ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس صورت کو دیکھنے کے لئے دیوتا تک ترستے ہیں۔

دل کو نیاز حسرتِ دیدار کر چکے
دیکھا تو ہم میں طاقتِ دیدار بھی نہیں
(غالب)

۵۳۔ نہ یہ ممکن ہے کہ جس طرح تو نے دیکھا ہے اس طرح مجھے ویدوں یا ریاضتوں کے ذریعہ سے دیکھا جا سکے، نہ خیرات کے ذریعہ سے کوئی دیکھ سکتا ہے نہ نذر کے ذریعہ سے

۵۴۔ لیکن اے ارجن! صرف میری محبت سے عبادت کرنے والے ہی مجھے اس طرح دیکھ سکتے ہیں

اب دل ہے اور فراغ محبت کی راحتیں
تشویش زندگانی و فکر اجل گئی
(حسرت)

اور اے پرنتپ! صرف محبت (بھگتی) ہی سے وہ میرے جوہر کو دیکھ سکتے ہیں اور معلوم کر سکتے ہیں اور اس میں داخل ہو سکتے ہیں۔

۵۵۔ اے پانڈو! وہ جو میرے لئے اعمال کرتا ہے جس کا مقصد اعظم میں ہی ہوں اور ہر چیز سے بے تعلق ہو کر کسی مخلوق سے دشمنی نہیں کرتا۔ وہی مجھ تک پہنچ سکتا ہے۔

اس طرح ختم ہوتا ہے نغمۂ خداوندی کا گیارھواں مکالمہ مشاہدہ جلوۂ الہیٰ یا ذات مطلق کا درشن جو سری کرشن اور ارجن کے مکالمہ کے سلسلہ میں برہم ودیا ہے۔

بارھواں مکالمہ

بھگتی یوگ یا طاعت بہ محبت

اس مکالمہ میں خدا کی پرستش کا طریقہ عشق حقیقی کے ذریعہ بتایا گیا ہے۔ گیتا کی یہ سب سے چھوٹی فصل ہے اور اس کا ایک ایک لفظ یاد رکھنے کے لائق ہے۔

ارجن نے کہا:-

۱- جو عابد متوازن ہو کر ہمیشہ تیری عبادت کرتے ہیں۔ اور وہ جو لافانی اور غیر مشہود کی عبادت کرتے ہیں۔ ان دونوں میں کون یوگ کا زیادہ علم رکھتے ہیں۔

۲- کرشن نے فرمایا کہ وہ جو مجھ پر خیال جما کے ہمیشہ توازن حواس قائم رکھتے ہیں اور میری پرستش کرتے ہیں اور جن کا ایمان مکمل ہے۔ میری رائے میں وہ یوگ میں بہتر ہے۔

۳-۴- اور وہ لوگ جو ذات لافانی، غیر محدود، غیر مشہود، ہر جگہ حاضر، ناقابل تصور، ناقابل تبدل، اور نہ مٹنے والی ابدی ہستی کی پرستش کرتے ہیں، اور اپنے حواس کو روک کر اپنے قابو میں رکھتے ہیں ہر چیز کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور سب کا بھلا چاہ کر خوش ہوتے ہیں۔ وہ بھی میرے ہی پاس آتے ہیں۔

۵- جن لوگوں کے دل غیبی ہستی پر لگے ہوئے ہیں ان کو زیادہ دقت اور دشواری ہے چونکہ جسم دار کو

مسلماں گر بدانستے کہ بت چیست
بدانستے کہ دیں در بت پرستی است

کو نظر نہ آنے والی ہستی تک پہنچنا بہت مشکل ہے | اگر مشرک زبت آگاہ گشتے کجا در دیں خود گمراہ گشتے | (محمود شبستری) (گلشن راز)

۶۔ ۷۔ وہ جو کل اعمال مجھ پر چھوڑ کے اور مجھ پر توکل کر کے میری عبادت اور میرا مراقبہ دلی یوگ سے کرتے ہیں اُن کو میں تیزی سے ہستی اور موت کے سمندر سے نکال لیتا ہوں۔ چونکہ اے پارتھ اُن کے دل مجھ سے وابستہ ہیں

۸۔ اپنا دل مجھ میں رکھ اور مجھ میں اپنی عقل کو داخل ہونے دے اس کے بعد تو ہمیشہ مجھ میں رہے گا | تو ز خود گم شو، وصال اینست و بس گم شدن گم کن کمال اینست و بس

۹۔ اگر تو اپنا دھیان پورے طور پر مجھ پر نہیں جما سکتا تو ریاضت د ورزش کے یوگ سے مجھ تک پہنچنے کی کوشش۔ اے دھننجے!

۱۰۔ اگر تجھ سے مسلسل ریاضت و ورزش بھی نہیں ہو سکتی تو میری خدمت ہی کر۔ میرے لئے اعمال کر کے تو کمال حاصل کرے گا۔

۱۱۔ اگر تجھ میں اس کی بھی طاقت نہیں ہے تو میرے یوگ میں پناہ لے کر ضبط نفس کر کے ثمرۂ اعمال کو ترک کر دے۔

۱۲۔ یقیناً مسلسل ورزش سے دانش (عرفان) بہتر ہے۔ گیان سے مراقبہ بہتر ہے مراقبہ سے ثمرۂ اعمال کا ترک کرنا بہتر ہے۔ اور ترک کرنے سے فراغت و اطمینان

لہ اس شعر سے بعض لوگوں نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ ان کے دیکھے خدا کی پرستش نا ممکن ہے۔ یہ خیال غلط ہے اس لئے کہ اس شعر میں یہ کہا گیا ہے کہ ایسی عبادت مشکل ہے۔ نا ممکن یا محال نہیں ہے اس سے یہ بھی نہیں ثابت ہوتا کہ بت پرستی جائز ہے۔ اور اگر آپ تیرھویں مکالمہ کے اشعار نمبر ۱۵ و نمبر ۱۶ کو غور سے پڑھیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ خدا کی کوئی صورت نہیں۔ وہ منزہ عن الصفات ہے اور غیر مشہود اور غائب ہے۔

حاصل ہوتا ہے۔

۱۳۔ وہ کسی جاندار سے کینہ نہیں رکھتا جو سب کا بھی خواہ اور رحیم ہے۔ جو حرص سے خالی اور خودی سے دور ہے جو مسرت و غم میں یکساں رہتا ہے اور خطا بخش طبیعت رکھتا ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

۱۴۔ جو ہمیشہ قانع، متوازن اور نفس کو قبضہ میں رکھتا ہے۔ جو مستقل مزاج ہے۔ اور جس کا دل و دماغ میرے لئے وقف ہے۔ وہ میرا محبوب پرستار ہے۔

۱۵۔ جس سے نہ دنیا ڈرتی ہے نہ وہ دنیا سے ڈرتا ہے۔ جو انکار، نشاط و غضب وخوف سے آزاد ہے وہ میرا محبوب ہے۔

۱۶۔ جو کسی چیز کی خواہش نہیں رکھتا وہ متقی، ماہر، بے نفس، پرسکون اور ہر خواہش کو ترک کر دینے والا ہے۔ وہ میرا محبوب پرستار ہے

گر تجھ کو ہے یقین اجابت دعا نہ مانگ
یعنی بغیر یک دل بے مدعا نہ مانگ
(غالب)

۱۷۔ جو نہ نفرت کرتا ہے نہ محبت، نہ رنج کرتا ہے نہ خواہش، جو نیک و بد کا تارک ہے اور میری شیفتگی سے معمور ہے وہ میرا محبوب ہے۔

محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا
اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے
(غالب)

۱۸۔ جو دشمن اور دوست کو ایک نگاہ سے دیکھتا ہے اور نیک نامی و بدنامی

برنگ سرو ہیں آزاد باغ عالم میں
ہے ایک آن کی خزاں و بہار کی صورت

میں یکساں رہتا ہے، جو سردی
وگرمی لذت والم میں ایک ہی
طرح رہتا ہے اور تعلقات سے
اثر پذیر نہیں ہوتا۔

۱۹۔ جو تعریف وملامت کو یکساں قبول کرتا ہے جو خاموش ہے اور ہر آنے والی
بات پر مکمل طور پر قانع رہتا ہے جس کا گھر کہیں نہیں ہو جو دل میں مضبوط ہے
اور عشق حقیقی سے معمور ہے وہ شخص میرا محبوب ہے۔

۲۰۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ جو اس
اُمرت دھرم زلال نیکو کاری (زندہ بہ
جان بخش) میں جو یہاں بیان کیا
گیا ہے حصّہ لیتے ہیں۔ اور ایمان
سے معمور ہیں۔ اور میں ان کا مقصد
اعظم ہوں وہ پرستار مجھے بہت
زیادہ محبوب ہیں۔

نخستیں بادہ کاندر جام کردند
زچشم مست ساقی وام کردند
بجیتی ہر کجا دردو لے بود
بہم کردند وعشقش نام کردند

حق حق حق

اس طرح ختم ہوتا ہے نغمۂ خداوندی کا بارھواں مکالمہ بھگتی یوگ یا
طاعت بہ محبت جو سری کرشن اور ارجن کے مکالمہ کے سلسلہ میں
علم معرفت الٰہی ہے۔



تیرھواں مکالمہ

امتیاز جسم و جان یا امتیاز شاہدؔ مشہود

اس مکالمہ میں بتایا گیا ہے کہ وہ ذات برتر جسم انسانی میں رہتی ہے۔ اور پھر بھی اعمال سے اثر پذیر نہیں ہوتی اور خود بھی عمل نہیں کرتی۔ بھگتی (عشق صادق) کے حاصل ہونے کا یہ طریقہ ہے کہ انسان غرور، تکبر، حرص، غضب اور جملہ خواہشاتِ نفسانی کو ترک کر کے اپنی ہستی کو مٹا دے۔

ارجن نے کہا:۔

۱۔ پرکرتی اور پُرش (روح اور مادہ، میدان (مادہ) اور میدان کا عالم روح، عقل اور وہ چیز جو عقل سے جانی جاتی ہے۔ اے کیشو! ان باتوں کو جاننا چاہتا ہوں۔

مقدس خداوند نے فرمایا:۔

۲۔ اے کنتی کے بیٹے! اس جسم کو "میدان" کہتے ہیں۔ اور اہلِ علم اسے "میدان کا عالم" کہتے ہیں جو اسے جانتا ہے۔

۳۔ اے بھارت میدانوں میں میدان کا عالم میں ہی ہوں (یعنی ہر قسم کے مادہ میں روح میں ہی ہوں) جسم و جان کے علم ہی کو میں معرفت سمجھتا ہوں۔

ہم عاشق رشید استم، ہم دلبر زیبا ستم
اندر مکان و لامکاں پنہاں ہم پیدا استم
ہم دوزخ و نیراں منم۔ ہم جنت و حوراں منم
ہم مالک دنیا منم۔ ہم حاکم عقبےٰ منم
(شمس تبریز)

۴۔ وہ میدان کیا ہے؟ اُس کی ماہیت کیا ہے؟ وہ کس طرح اثر پذیر ہوتا ہے؟

کہاں سے آیا ہے۔ اور وہ عالم میدان کیا ہے۔ اور اس کی کیا قوتیں ہیں۔ اب اختصار کے ساتھ اُن کا حال سنو۔

۵۔ بزرگوں نے مختلف طریقوں سے یہ نغمے گائے ہیں۔ اور مدلل برہم سوتروں[1] میں بیان کیا ہے۔

۶۔ مادی[2] عناصر خمسہ، خودی، عقل، غیر مشہود ہستی (قدرت) حواس[3] یازدہ، ایک عضو (من) اور حواس خمسہ کے عمل کے پانچ میدان (یہی سب اصل جسم ہیں)

۷۔ آرزو یا خواہش، نفرت، لذت، الم (ترکیب حواس رابا قالب۔) قوت احساس، استقلال یہ مع اپنی تبدیلیوں اور خصوصیات کے مختصراً میدان ہے (اسے چھتا کہتے ہیں)

۸۔ انکساری، سادگی، عدم تشدد، عفو، راستی، مرشد کی خدمت، پاکبازی،

۹۔ اشیائے حواس سے بے دلی، عدم خودی، اور پیدائش، موت، بڑھاپے اور بیماری کی مضرت و خرابی کا احساس

۱۰۔ بے تعلقی۔ بیٹے، بیوی اور مسکن سے بے تعلقی، اور نفس کا ہمیشہ یکساں رہنا خواہ حسب خواہش واقعات پیش آئیں یا خلاف خواہش۔

۱۱۔ یوگ کے ذریعہ سے میری مسلسل پرستش خلوت کے مقاموں میں جانا اور انسانوں

---

[1] زمانہ قدیم میں نہایت جامع اور مختصر فقروں میں وسیع معنی جمع کیے جاتے تھے تاکہ بغیر لکھے ہوئے یاد رہ سکیں۔ انھیں سوتر کہتے تھے۔ اور اقوال جو ذات ابدی کے متعلق ہیں انھیں برہم سوتر کہتے ہیں [2] مہا بھوت یا عناصر خمسہ بذریں، پانی، روشنی، ہوا، خلا۔ [3] حواس دو گانہ ہیں یا پنج حواس علم کے ہیں اور پانچ عمل کے ہیں۔ حواس علم، ناک، آنکھ، کان، زبان اور کھال ہیں۔ عمل کے حواس ہاتھ، پاؤں، منھ وغیرہ ہیں۔

کی صحبت سے پرہیز کرنا۔

۱۱۔ روح کی معرفت میں وجہ - اور حقیقت کا ادراک کرنا اسے معرفت کہتے ہیں۔ اپنی اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ جہالت ہے۔

۱۲۔ میں اُس چیز کا بیان کروں گا جس کا جاننا ضروری ہے جسے جاننے کے بعد بقائے ابدی حاصل ہوتی ہے۔ سرمدی نجات۔ جسے نہ ہست کہہ سکتے ہیں نہ نیست۔

۱۴۔ "وہ" ہر جگہ ہاتھ اور پاؤں دکھتا ہے اُس کے آنکھ سر اور منھ ہیں۔ وہ سب سنتا ہے دُنیا میں رہتا ہے اور سب کو محیط ہے۔

اصل نزدیک و اصل دور یکیست
ما ہمہ سایہ ایم و نور یکیست
نامۂ ایزدی تو سر بستہ
باز کن بند نامہ آہستہ
صنع را بر تریں نمونہ توئی
خط بیچوں و بیچگونہ توئی
بیش ازیں گر دو حرف برخوانی
ترسمت پر جہی کہ سبحانی (اوحدی)

واللہ علی کل شیٔ محیط (قرآن کریم)
(اللہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے)

۱۵۔ گو اُس کے حواس نہیں ہیں۔ لیکن احساس کی جملہ قوتوں سے منور ہے۔ وہ بے تعلق ہے۔ ہر چیز کا سہارا صفات سے منزہ اور صفات سے لطف اندوز ہے۔

۱۶۔ ہر ہستی کا ظاہر بھی وہی ہے۔ باطن بھی وہی۔ ساکن بھی وہی ہے۔ متحرک بھی وہی۔ وہ اپنی لطافت کی وجہ سے ناقابل ادراک ہے۔ "وہ" قریب

بھی ہے اور بعید بھی۔

۱۷۔ مخلوقات میں منقسم نہیں ہے۔ تاہم الگ الگ موجود ہے اُسے مخلوقات کا پناہ دینے والا سمجھنا چاہیئے وہی سب کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ اور وہی سب کو پیدا کرتا ہے۔

۱۸۔ وہ "نور الانوار" تاریکی سے دور بتایا جاتا ہے۔ وہی معرفت ہے، وہی مقصد معرفت اور معرفت ہی سے اُس تک رسائی ہو سکتی ہے۔ وہ سب کے دلوں میں جاگزیں ہے۔

۱۹۔ اس طرح میدان معرفت اور مقصد معرفت مختصراً بتائے گئے ہیں میرا پرستار یہ جان کر میری ہستی میں داخل ہو جاتا ہے۔

ہر کہ از وے نزدانا حق سر
او بود از جا حت کفار
جملہ یک ذاتست اما متصف (عطار)
جملہ یک حرفست اما مختلف

۲۰۔ جان لے کہ روح اور مادہ دونوں ازلی ہیں۔ اور خواص و صفات سب مادہ سے پیدا ہوئی ہیں۔

۲۱۔ مادہ سبب بتایا جاتا ہے علتوں اور معلولوں کی پیدائش کا۔ اور مسرت و غم کے احساس کا سبب روح بتائی جاتی ہے۔

۲۲۔ روح اُن صفات کو جو مادہ سے پیدا ہوتی ہیں مادہ میں جاگزیں ہو کر استعمال کرتی ہے اور صفات کی محبت کی وجہ سے اچھے اور بُرے رحموں میں پیدا ہوتی رہتی ہے۔

۲۳۔ نگہبان، اجازت دہندہ، حافظ، لطیف، احکم الحاکمین، ذات اعلیٰ، روح اعظم کے یہ نام اس جسم میں ہیں۔

۲۴۔ جو اس طرح مادہ اور روح کی صفات کو جانتا ہے۔ وہ خواہ کسی حالت میں

رہے دوبارہ نہ پیدا ہوگا۔

۲۵۔ کچھ لوگ مراقبہ کے ذریعہ سے نفس (آتما) کو نفس میں نفس سے دیکھتے ہیں۔ کچھ سانکھیہ یوگ سے اور کچھ عمل کے یوگ سے۔

۲۶۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو دوسروں سے سُن کر عبادت کرتے ہیں۔ گو ان باتوں سے خود ناواقف ہیں۔ اور یہ بھی عالمِ پیدائش کے پار ہو جاتے ہیں، چونکہ جو کچھ سنتے ہیں اُس پر قائم رہتے ہیں۔

۲۷۔ جو مخلوق بھی پیدا ہوتی ہے خواہ وہ متحرک ہو یا غیر متحرک وہ میدان اور "عالمِ میدان" کے اتحاد سے پیدا ہوتی ہے۔ اسے بھارتوں کے برگزیدہ انسان!

۲۸۔ خداوند عالم ہر ہستی میں مساوی طور پر جاگزیں ہے فانی ہستیوں میں وہی باقی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہی آنکھوں والا ہے جو اس طرح دیکھتا ہے۔

چیست توحید خدا آموختن
خویشتن را پیش واحد سوختن
نماند در میانہ ہیچ تمیز
شود معروف و عارف جملہ یک چیز
(گلشن راز)

۲۹۔ ہر جگہ اُس مولیٰ کو دیکھ کر وہ روح کو نہیں گراتا اور اس طرح بلند راستہ پر چلتا ہے۔

۳۰۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہی آنکھوں والا ہے جو یہ دیکھتا ہے کہ مادہ سب اعمال انجام دیتا ہے۔ اور روح جامد ہے یعنی عمل نہیں کرتی۔

۳۱۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ مخلوقات کی گوناگوں ہستی کی بنیاد وہی ایک ہے اور اسی سے سب چیزیں نکلی ہیں تو وہ ذاتِ ازلی تک پہنچتا ہے۔

آنکہ گوید جملہ حقست احمقی است
وانکہ گوید جملہ باطل او شقیست
پس مگو این جملہ دمہا باطلند
باطلاں بر بوئے حق دام دلند (مثنوی)

۳۲- اے کونتیہ! چونکہ روح اعلیٰ ازلی۔ منزہ عن الصفات اور غیر فانی ہے اس لئے گو وہ جسم میں جاگزیں ہے۔ لیکن نہ وہ عمل کرتی ہے۔ نہ کسی چیز کا اس پر اثر ہوتا ہے

۳۳۔ جس طرح ہمہ گیر ایتھر (اثیر) اس کی لطافت کی وجہ سے کوئی چیز اثر نہیں کرتی، اسی طرح باوجود جسم میں قیام رکھنے کے روح پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

۳۴۔ جس طرح ایک سورج کل زمین کو روشن کرتا ہے۔ اسی طرح میدان کا مالک کل میدان کو روشن کرتا ہے۔ اے بھارت!

۳۵۔ وہی لوگ خدا تک رسائی پاتے ہیں جو معرفت کی آنکھوں سے "میدان" اور "عالم میدان" میں امتیاز کرتے ہیں اور مادہ سے بانداروں کی آزادی (نجات) کا فرق اس طرح سے دیکھتے ہیں۔

اس طرح ختم ہوتا ہے نغمۂ خداوندی کا تیرھواں مکالمہ امتیاز جسم وجان یا امتیاز شاہد و مشہود جو سری کرشن اور ارجن کے مکالمہ کے سلسلہ میں علم معرفت الہٰی ہے۔

چودھواں مکالمہ

گن ترے دبھاگ یوگ یا تقسیم صفات سہ گانہ

اس مکالمہ میں روشنی (ستوگن)، حرکت (رجوگن) اور تاریکی (تموگن) کا ذکر ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان تینوں صفات سے بلند ہونا معراج کمال ہے

مقدس آقا نے فرمایا:

۱۔ اب میں پھر اُس حکمت کا بیان کرتا ہوں۔ جو سب حکمتوں سے بلند تر ہے۔ جس کا علم حاصل کر کے سب مُنی درجۂ کمال کو پہنچے ہیں

۲۔ اُس حکمت (معرفت) میں پناہ لے کر اور میری قدرت میں داخل ہو کر وہ دوبارہ پیدا نہیں ہوتے۔ خواہ ایک کائنات پیدا ہو جائے نہ وہ پریشان ہوتے ہیں۔ خواہ فنا کا وقت آجائے۔

۳۔ میرا رحم عظیم ادبیت ہے۔ اُس رحم میں میں ہی تخم رکھتا ہوں۔ پھر اُس سے سب مخلوق پیدا ہوتی ہے اے بھارت!

۴۔ چاہے کسی رحم سے یہ فانی مخلوق پیدا ہوں برہم ہی اُن کا رحم ہے۔ اور اے کونتیہ! میں ہی اُن سب کا تخم دہندہ ہوں۔

۵۔ روشنی، حرکت[۱]، ظلمت[۲]، یہ صفات مادہ سے پیدا ہوتی ہیں اے قوی بازو! یہ صفات غیر فانی باشندہ جسم (روح) کو جسم کے اندر

(ستوگن[۱]، رجوگن[۲]، تموگن[۳])
اصول علم، اصول عمل، اصول خواہش

مضبوطی سے مربوط کر دیتی ہیں۔

۶۔ ان میں سے یکسانیت (ستوگن) روشن اور پاک ہونے کی وجہ سے اور اپنی عادت طبعی سے روح کو مسرت اور علم کے ذریعہ بندش میں ڈالتا ہے۔ اے معصوم ہستی!

۷۔ اے کنتی کے بیٹے! جان لے کہ "حرکت کی صفت" (رجوگن) جس کی شکل خواہش ہے اور جو خواہش ہی کے تعلق سے پیدا ہوتی ہے وہ روح کو اعمال (کرم) کی زنجیروں میں باندھتی ہے۔

۸۔ لیکن ظلمت (تموگن) جہالت سے پیدا ہوتی ہے اور جسم کے تمام باشندول (یعنی جانوں) کو فریب میں مبتلا رکھتی ہے۔ اور اے بھارت! یہ ظلمت لاپرواہی، سستی اور نیند کے ذریعہ روح کو باندھتی ہے۔

۹۔ ستوگن مسرت میں پھنساتی ہے
حرکت عمل میں پھنساتی ہے اور
ظلمت عقل پر حجاب ڈال کر بے پرواہی
میں پھنساتی ہے۔ اے بھارت!

جس طرح کے افعال بشر ہوتے ہیں
سچ ہے وہ بھگتنے اُسے سب ہوتے ہیں
اخگر یہ تعجب کی کوئی بات نہیں
اُگتا ہے زمیں سے وہی جو بوتے ہیں

(اخگر مراد آبادی)

۱۰۔ اے بھارت روشنی (ستوگن) اُس وقت پیدا ہوتی ہے۔ جب روح حرکت وظلمت پر فتح حاصل کر لیتی ہے۔ جب حرکت اور ستوگن مغلوب ہو جاتی ہیں تو ظلمت پیدا ہوتی ہے اور جب ظلمت اور ستوگن مغلوب ہو جاتی ہیں تو حرکت یا جوش پیدا ہوتا ہے۔

۱۱۔ جب عقل کی شعاعیں جسم کے تمام دروازوں سے نکلنے لگتی ہیں تب یہ سمجھنا چاہیئے کہ ستوگن بڑھ رہی ہے۔

۱۲۔ حرکت کی زیادتی سے حرص، طبیعت کا میلان۔ اکتساب اعمال، اضطراب اور خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اے بھارتوں کے برگزیدہ انسان!

۱۳۔ اے ارجن! ظلمت کی زیادتی سے تاریکی، بے رغبتی، غفلت اور جھوٹی محبت پیدا ہوتی ہے۔

۱۴۔ اگر اُس وقت ستوگن کا دَور دورہ ہو جبکہ روح اس جسم سے الگ ہوتی ہے۔ تو واقعہ یہ ہے کہ وہ بڑے بزرگوں کی پاکیزہ دُنیاؤں میں جاتی ہے۔

۱۵۔ اگر حرکت (رجوگن) کی حالت میں روح و جسم کی علیحدگی ہو۔ تو وہ اُن لوگوں میں پیدا ہوتا ہے جو عمل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اگر ظلمت کی حالت میں جسم و جان کی جدائی ہو تو وہ غیر مدرک جانوروں کے رحموں میں پیدا ہوتا ہے۔

۱۶۔ کہا جاتا ہے کہ عمل صالح کا ثمرہ متوازن اور پاکیزہ ہوتا ہے۔ اور حرکت کا ثمرہ غم و الم ہے اور ظلمت کا ثمرہ جہالت ہے۔

۱۷۔ (روشنی) ستوگن سے عقل پیدا ہوتی ہے، حرکت سے حرص اور ظلمت سے لاپرواہی، دھوکا اور جہالت پیدا ہوتی ہے۔

۱۸۔ جو روشنی میں جاگزیں ہیں، وہ بلندی کی طرف اُبھرتے ہیں حرکت کرنے والے درمیانی درجہ میں رہتے ہیں اور اہلِ ظلمت پستی کی طرف جاتے ہیں اور ذمیم ترین صفات میں گھرے رہتے ہیں۔

۱۹۔ جب اِن صفات کے علاوہ صوفی کسی اور کو کارکن نہیں سمجھتا۔ اور "اُس" کو پہچان لیتا ہے۔ جو صفات سے برتر ہے۔ تو وہ میری فطرت میں داخل ہو جاتا ہے۔

۲۰۔ جب جسم کا باشندہ (روح) جسم سے پیدا ہونے والی تینوں صفات عبور کر لیتا ہے، تو وہ پیدائش، موت، بڑھاپے اور غم سے آزاد ہو کر آب حیات پیتا ہے

ارجن نے کہا۔

۲۱۔ جس نے تینوں صفات کو عبور کر لیا ہے، اُس کی کیا پہچان ہے۔ اے آقا! وہ کس طرح عمل کرتا ہے۔ اور وہ اِن تینوں صفات سے کیونکر عبور کرتا ہے

مقدس خداوند نے فرمایا:۔

۲۲۔ اے پانڈو! وہ جو روشنی، حرکت اور دھوکے سے نفرت نہیں کرتا جبکہ وہ موجود ہوتے ہیں نہ اُن کی عدم موجودگی میں اُن کی خواہش کرتا ہے۔

۲۳۔ جو بیگانہ وش رہ کر صفات سے مغلوب نہیں ہوتا اور غیر متحرک رہتا ہے جو یہ کہکر کہ "حواس اپنا کام کر رہے ہیں"۔ بغیر حرکت کئے ہوئے علیحدہ قائم رہتا ہے

۲۴۔ جو مسرت و غم میں یکساں اور خوددار رہتا ہے، جس کی نظر میں مٹی کا ڈھیلا پتھر اور سونا سب برابر ہے۔ جو محبت و نفرت میں یکساں رہتا ہے۔ اور مستقل ثابت قدم ہے، جو ملامت اور تعریف میں ایک حالت میں رہتا ہے۔

۲۵۔ جو عزت و ذلت میں یکساں رہتا ہے۔ اور دوست دشمن سے یکساں سلوک کرتا ہے۔ اور جملہ علائق کو ترک کر دیتا ہے۔ وہ کہا جاتا ہے کہ تینوں صفات سے فارغ ہو گیا۔

۲۶۔ اور جو میری خدمت بھگتی یوگ کے ذریعہ سے کرتا ہے۔ وہ بھی صفات سے عبور کر لیتا ہے۔ اور اس قابل ہو جاتا ہے کہ برہم سے واصل ہو جائے۔

جوہر عشق از تو چوں پیدا شود
ہر دو عالم در دلت یکتا شود
پیش تو نے شک بماند، نے یقیں
بگذری از کفر و از اسلام و دیں
گر ترا از عشق خود باشد خبر
مرتدے باشی براہ پُر خطر

(عطار)

۲۷۔ اس لئے کہ برہم کی قیام گاہ میں ہی ہوں۔ اور میں اکسیر بقا کا لافانی مقام ہوں۔ اور میں ہی ازلی حقانیت (دھرم) اور نہ ختم ہونے والی فراغت کا مسکن ہوں۔

اوم، تت ست

اس طرح ختم ہوتا ہے نغمۂ خداوندی کا چودھواں مکالمہ گن ترے وبھاگ یوگ تقسیم صفات سہ گانہ جو سری کرشن اور ارجن کے مکالمہ کے سلسلہ میں علم معرفت الٰہی ہے۔



پندرھواں مکالمہ

پُرشوتم یوگ یا عرفان ذاتِ برتر

اس مکالمہ کو زاہدان مرتاض روزانہ تلاوت کرتے ہیں۔ اس میں تدریجی طور پر روحانی ترقی کرنا بتایا گیا ہے۔ اور اس دنیا (یا جسم) کو ایک درخت سے مشابہت دی گئی ہے۔ جسے اسنگ (علائق دنیوی سے آزادی) کی کلہاڑی سے کاٹ کر نجات حاصل کرنا چاہیئے۔

مقدس آقا نے فرمایا۔

۱۔ متبرک پیپل کے درخت[1] کی جڑیں اوپر ہیں۔ اور شاخیں نیچے ہیں وہ ابدی ہے۔ اس کے پتے موزوں بھجن (وید) ہیں۔ جو اُسے جانتا ہے یقیناً وہ ویدوں کو جانتا ہے۔ (وش معانی السماء)

۲۔ اُس کی شاخیں صفات سے پرورش پاکر اوپر اور نیچے پھیلتی ہیں۔ اشیائے مدرکات جو اس اُس کی کلیاں ہیں۔ اُس کی شاخیں نیچے کی طرف بڑھتی ہیں جو انسانوں کی دُنیا میں عمل کے رشتے[2] ہیں۔

۳۔ یہاں نیچے نہ تو اس کی شکل معلوم ہوسکتی ہے، نہ ابتدا، نہ انتہا اور نہ اُس کی پوری ماہیت اور نہ بناوٹ، جب کوئی شخص اس بڑی جڑوں والے

---

[1] ۔ نظام عصبی۔

[2] ۔ انسان کو دوبارہ پیدا کرنے والے رشتے میں باندھ دیتی ہے۔

پیپل کے درخت کو بے لوث کے ہتھیار سے کاٹ ڈالے۔

۴۔ تب اُس راستے (برہم) کی تلاش کی جاسکتی ہے جس پر چل کے پھر واپسی نہیں ہوتی۔ یقیناً میں اُس انسان اوّل (پرش) کے پاس جاتا ہوں، جہاں سے قوت قدیم پیدا ہوئی ہے

ہم سایہ ونشیں و ہمہ رہ ہمہ اوست
در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست
در انجمن فرق و نہاں خانۂ جمع
باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست

۵۔ غرور و فریب سے پاک، علائق کے گناہ پر فتحمند اور ہمیشہ نفس میں جاگزیں ہو کر خواہشات کو قابو میں رکھ کر اور اُن ضدین سے آزاد رہ کر جنھیں لذت والم کہتے ہیں، وہ بغیر دھوکہ کھائے ہوئے اُس عرفانی راستے پر چلتے ہیں

۶۔ نہ وہاں سورج اور چاند کی روشنی ہے نہ آگ کی چمک، وہاں پہنچکر وہ واپس نہیں ہوتے اور وہی میرا مسکن عالی ہے۔

۷۔ میرا ہی ایک جزو ایک علاحدہ ہستی ہو کر (انفرادی روح) زندگی کی دنیا میں حواس خمسہ اور مَن کو جو قدرت میں متمکن ہیں اپنی طرف کھینچتا ہے۔

۸۔ جب خداوند (روح) کسی جسم میں نمایاں ہوتا ہے اور جب وہ اُسے ترک کرتا ہے تو وہ اُن حواس اور نفس کو اُس طرح لے جاتا ہے جس طرح ہوا خوشبوؤں کو اڑا لے جاتی ہے۔

۹۔ کان اور آنکھ، لمس، ذائقہ، بو اور مَن میں قائم ہو کر "وہ" اشیائے حواس کا لطف اٹھاتا ہے۔

۱۰۔ جو دھوکے میں مبتلا ہیں وہ صفات سے اثر پذیر ہو کر یہ نہیں معلوم کر سکتے کہ وہ (خدا یا روح) کب گیا اور کب آیا، یا اُس نے کب لطف اٹھایا۔

اُسے صرف صاحبان بصیرت ہی دیکھتے ہیں۔

۱۱۔ وہ یوگی بھی اُسے دیکھ لیتے ہیں جو سرگرم کار ہیں۔ اور اپنے نفس میں قائم ہیں۔ لیکن باوجود کوشش کے جاہل اُس کو نہیں دیکھ سکتے۔ چونکہ اُن کے نقوش غیر ترتیب یافتہ ہیں۔

۱۲۔ وہ نور جو آفتاب سے نکل کر کل دُنیا کو روشن کرتی ہے۔ وہ جو چاند اور آگ میں ہے اُس نور کا منبع مجھے جان۔

۱۳۔ مٹی میں سرایت کر کے میں موجودات کی پرورش اپنی حیات بخش قوت سے کرتا ہوں اور لذیذ سُوم رس بن کر میں پودوں کو پالتا ہوں۔

۱۴۔ میں آتش حیات بن کر سانس لینے والوں کے جسموں پر قبضہ کر لیتا ہوں۔ اور انفاس حیات سے مل کر چار قسم کی غذاؤں کو ہضم کرتا ہوں

۱۵۔ میں سب کے دلوں میں ہوں اور مجھ سے حافظہ و عقل کی موجودگی و غیر حاضری ہوتی ہے۔ اور وہ ذات جو کل ویدوں سے معلوم کی جاتی ہے میں ہی ہوں، اور میں ہی حقیقت میں وید کا جاننے والا اور ویدانت کا موجد ہوں۔

۱۶۔ اس دنیا میں دو قسم کی قوتیں (پُرش) ہیں۔ ایک فانی دوسری غیر فانی سب چیزیں فانی ہیں اور ناقابل تبدیل ہستی ہی غیر فانی ہے

یعنی کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّ یَبْقیٰ وَجْهُ رَبِّکَ ذُوا لْجَلَالِ وَالْاِکْرَامْ

ترجمہ:۔ (سب کو فنا ہے سوائے خدا کے ذوالجلال و بزرگی والے کے)

۱۷۔ بلند ترین قوت (پُرش) ہی "دوسری قوت" ہے جسے روح اعظم (پرماتما) کہتے ہیں جو "وہ ذات" ہے

ہستی و عدم خراب میخانۂ اوست
امکان و وجوب مست پیمانۂ اوست

جو ہر جگہ پھیل کر تینوں عالموں کو قائم کئے ہوئے ہے۔ وہی غیر فانی آتما ہے۔

چشم دل تو اگر حقیقت بین است
ہر ذرۂ خلق روزن خانۂ اوست

۱۸۔ چونکہ میں فانی (چھر) سے برتر ہوں اور غیر فانی (اچھر) سے بھی بلند تر ہوں۔ اس لئے وید اور دنیا میں مجھے روح اعظم (پُرش اوتم) کہتے ہیں

۱۹۔ وہ بغیر دھوکا کھائے مجھے اس طرح جانتا ہے کہ میں پرشوتم ہوں اے بھارت! وہ شخص سب کچھ جان کر اپنی پوری ہستی سے میری عبادت کرتا ہے۔

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا
برابر ہے دُنیا کو دیکھا نہ دیکھا
(درد)

۲۰۔ اے ذات معصوم! اس طرح میں نے اس نہایت خفیہ تعلیم (اسرار عالم) کا اظہار کیا ہے جو اسے جان لیتا ہے وہ عارف ہو جاتا ہے اور اُسے اپنے جملہ فرائض سے حاصل ہو جاتی ہے۔

اوم۔ تت۔ ست

اس طرح ختم ہوتا ہے نغمۂ خداوندی کا پندرھواں مکالمہ پرشوتم یوگ یا عرفان ذات برتر جو سری کرشن اور ارجن کے مکالمہ کے سلسلہ میں تعلیم عرفان الہیٰ ہے۔

سولھواں مکالمہ

دیوآسر سمپت وبھاگ یوگ یا تقسیم صفات یزدانی و اہرمنی

اس مکالمہ میں اُن صفات کی تفصیل کی گئی ہے جو یزدانی اور شیطانی فطرتوں میں پائی جاتی ہیں، یزدانی صفات نجات کا باعث ہیں۔ اہرمنی صفات سے تناسخ میں گرفتاری ہوتی ہے۔ اس مکالمہ میں منکروں اور ملحدوں کے عقائد کا بھی بیان ہے۔

مقدس خداوند نے فرمایا۔

۱۔ بے خوفی، تصفیہ دل، معرفت کے یوگ میں استحکام، خیرات، ضبط نفس، قربانی ومطالعہ کتب مقدسہ، ریاضت اور دیانتداری۔

۲۔ عدم تشدد، سچائی، عدم غضبناکی ایثار، امن پسندی۔ بے ریائی، سب جانداروں پر رحم، لالچ نہ کرنا، نرمی، عفت، عدم تلون مزاجی

(۱-۲)

تا نہ کردی سینہ را از کینہ صاف
دعویٔ فقرت بود لاف گزاف
اتنا تم ہست با ہر ملتے
در جہاں باکس ندارم اختلاف (بیخود)

۳۔ شوکت وجلال، عفو، استقلال، پاکیزگی۔ عدم آفاق حسد، عدم غرور وپندار، یہ اُس شخص کی صفات ہیں، اے بھارت جو صفات یزدانی کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔

۴۔ ریا۔ خودسری اور غرور، غصہ اور تند مزاجی، اور بے عقلی اس شخص کی صفات ہیں اے بھارت! جو اہرمنی صفات کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔

یزدانی صفات سے نجات حاصل ہوتی ہے اور اہرمنی صفات سے غلامی
اسے پائندہ رنج نہ کرتا اس لئے کہ تو یزدانی صفات کے ساتھ پیدا ہوا ہے
اس دنیا میں جاندار مخلوقات کی دو قسمیں ہیں۔ یزدانی و اہرمنی ۔ یزدانی
مخلوق کا مفصل حال بیان کیا جاچکا ہے۔ اب اہرمنی مخلوق کا حال سُن۔
اہرمنی انسان نہ تو عروج روح سے واقف ہیں اور نہ پیچھے تنزل روح سے۔
نہ اُن میں پاکیزگی ہے نہ عمل صالح اور نہ صداقت ۔

وہ کہتے ہیں کہ اس کائنات میں
نہ تو سچائی ہے نہ ترتیب اور نہ
خدا۔ نر و مادہ کے اتحاد سے یہ
پیدا ہوئی ہے اور اس کی وجہ
تخلیق "خواہش" ہے اور کچھ نہیں

ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو سکتہ
جو حل ہوا نہ ہو گا وہ ہے سوال تیرا
(حالی)

اس عقیدہ پر قائم ہو کر یہ بے دل، کم عقل اور ارباب کردار ہیب ہستیاں
دشمنوں کی طرح دُنیا کی تباہی کے لئے بر آمد ہوتی ہیں ۔
۔ نہ پوری ہونے والی خواہشوں میں پھنس کر غرور، تکبر اور خود سری میں مبتلا
ہو کے اور دھوکے سے فاسد خیالات پر قائم ہو کر یہ ہستیاں ناپاک
ارادوں سے مصروف عمل ہوتی ہیں ۔

۱ اپنے آپ کو ہمیشہ ایسے ناموزوں خیالات کا پابند کرے جن کا انجام موت
ہے اور خواہشات نفسانی کو پورا کرنا ہی بلند ترین مقصد بنا کے اور صرف اس
دنیا کو ماحصل زندگی سمجھ کر اُمید کے سیکڑوں پھندوں میں پھنس کر اور شہوت و
غضب کے غلام بن کر وہ ناجائز طریقوں سے لذت شہوانی کے لئے سامان
حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔
۔ میں نے آج یہ جیتا، کل وہ مقصد حاصل کروں گا یہ دولت تو میری ہو ہی

چکی۔ اور آئندہ وہ میری ہو جائے گی

۱۴۔ میں نے اس دشمن کو قتل کر دیا اور دوسرے دل کو بھی قتل کرنے والا ہوں، میں آقا ہوں، میں لذت حاصل کر رہا ہوں، میں کامل ہوں، قوی ہوں اور مسرور ہوں

(۱۳، ۱۴، ۱۵)

ہر چہ معنی انانیت کفر است
ہیچ فہمیدی اسے نکو کردار
خویشتن را منم مگو یعنی
(من رانی، مگو بہیبر دار، عطار)

۱۵۔ میں زردار ہوں، صاحب نسب ہوں "میری مانند اور کون ہے۔ میں قربانی کروں گا، خیرات کروں گا اور خوش ہوں گا" مندرجہ بالا قول ہے اُن لوگوں کا جو جہالت سے دھوکے میں ہیں

۱۶۔ ہزاروں خیالات سے پریشان۔ فریب کے جال میں پھنس کر خواہشات کے پورا کرنے میں منہمک ہو کر وہ بدترین دوزخ میں گر پڑتے ہیں

۱۷۔ خود بین، ضدی، دولت و غیرت کے نشہ میں سرشار وہ نمائشی قربانیاں کرتے ہیں جو اصلی طریقہ کے قطعی خلاف ہے۔

۱۸۔ تکبر، طاقت، اکھڑپن، شہوت اور غضب کے بندے ہو کر یہ

تکبر عزازیل را خوار کرد
بزندان لعنت گرفتار کرد (سعدی)

کنبہ پرور اپنا بُرا کرتے ہیں۔ اور دوسروں کا بھی بُرا کرتے ہیں اور اس طرح مجھ سے دشمنی کرتے ہیں اس لئے کہ میں ہی سب میں موجود ہوں۔

۱۹۔ ان نفرت کرنے والوں، بدکاروں، بے رحموں اور دنیا کے بدترین انسانوں کو میں ہمیشہ شیطانی رحموں میں ڈال دیتا ہوں۔

۲۰۔ اسے کونتیہ! شیطانی رحموں میں پڑ کر پیدائش بہ پیدائش دھوکا کھا کر یہ لوگ مجھ تک نہیں پہنچتے۔ اور اسفل ترین پستیوں میں چلے جاتے ہیں۔

۲۱- اس جہنم کے سہ گونہ دروازے ہیں شہوت برائے نفس، غضب (خشم) اور حرص (طمع) یہ روح کو تباہ کر دیتے ہیں۔ لہذا انسان کا فرض ہے کہ ان تینوں سے بچے۔

مرد باید تا زند بر نفس پا
بگذرد از شہوت و حرص و ہوا
تو مباش اصلا کمال اینست و بس
تو در او گم شو وصال اینست و بس
(بو علی شاہ قلندر)

۲۲- تاریکی کے ان تینوں دروازوں سے بچ کر انسان اپنی بہبودی مکمل کر لیتا ہے اور اس طرح وہ مقام اعلیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔ اسے کنتی کے بیٹے۔

۲۳- وہ جو شاستر[1] کے احکام کی پروا نہ کر کے اپنی خواہشوں کی پیروی کرتا ہے، وہ نہ تو کمال حاصل کرتا ہے نہ مسرت نہ مقصد اعظم۔

۲۴- لہذا شاستر علم کو ایسے معاملات میں اپنا راہبر بنا جن میں تو یہ معلوم کرنا چاہئیے کہ کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہ کرنا چاہیئے۔ اور تجھے یہ جان لینا چاہیئے کہ جو کچھ احکامات علوم شاستروں میں ہیں اُن پر تجھے اس دنیا میں عمل کرنا ہے۔

اوم۔ تت۔ ست

اس طرح ختم ہوتا ہے نغمۂ خداوندی کا سولھواں مکالمہ دیو آسر سمپت وبھاگ یوگ یا تقسیم صفات یزدانی و اہرمنی جو سری کرشن اور ارجن کے مکالمہ کے سلسلہ میں پڑھا جاتا ہے۔

———:***:———

[1] شاستر کے معنی علم یا سائنس کے ہیں ۱۔ کام، ۲۔ کرودھ ۳۔ لوبھ

سترھواں مکالمہ

شردھاترے وبھاگ یوگ یا تقسیم عقائد سہ گانہ

اس مکالمہ میں تین قسم کے عقاید کا ذکر ہے۔ ہر ایک شخص کا اعتقاد اُس روح کے مطابق ہوتا ہے جو ستو، رجس یا تمس (روشنی (ستو)، حرکت (رج)، ظلمت (تم)) سے پیدا ہوتی ہے اس میں اقسام عبادت اور اقسام غذا کا بھی بیان ہے۔

ارجن نے کہا:۔

۱۔ وہ جو شاستروں کے احکامات کو پس پشت ڈال کر مکمل اعتقاد کے ساتھ قربانی کرتے ہیں اُنکی صحیح عاقبت کیا ہے؟ اے کرشن اُن کی حالت کیسی ہوتی ہے؟ ستو کی ہے۔ حرکت کی ہے یا تاریکی کی (ساتوک راجسی یا تامسی؟)

گر گل گزرد بہ خاطرت گل باشی
در بلبل بے قرار بلبل باشی
تو جزوی و حق کل است در روزے چند
اندیشہ کل پیشہ کنی کل باشی

مقدس خداوند نے فرمایا:۔

۲۔ جو لوگ پیدا ہوئے ہیں اُن کی خلقت میں فطرتاً تین قسم کا اعتقاد ہوتا ہے۔ روشنی والا، حرکت والا، اور تاریک، اب اُن کی تفصیل سُن۔

۳۔ اے بھارت! ہر شخص کا اعتقاد اُس کی فطرت کے مطابق ہوتا ہے انسان اعتقاد ہی کا بنا ہوا ہے جس کا جس پر اعتقاد ہے ویسا ہی وہ خود ہے۔

۴۔ روشنی والے انسان دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں۔ حرکت والے جن اور عفریتوں کو پوجتے ہیں اور اصحاب ظلمت بھوتوں[1] اور پریتوں[2] کو

۵۔ وہ لوگ جو سخت ریاضتیں کرتے ہیں جن کی اجازت شاستروں (علم عرفان) میں نہیں ہے۔ وہ غرور و خودی میں مبتلا ہو کر اپنے خواہشات و جذبات سے مجبور ہیں

تمرد اگرش دفاست خود می آید
گر آمدنش رواست خود می آید
بیہودہ چرا در پئے او میگردی
بنشیں اگر او خداست خود می آید
(سرمد شہید)

۶۔ جو بے عقل ہیں اور اُن عناصر (خمسہ) کو ایذا پہنچاتے ہیں جن سے جسم مرکب ہو حتیٰ کہ مجھ کو بھی ایذا پہنچاتے ہیں جو اُن کے دل میں جاگزیں ہوں ان کو اپنے اعتقاد میں اہرمنی سمجھ۔

۷۔ ان تینوں کو جو غذا پسند ہے وہ بھی تین قسم کی ہے۔ اسی طرح قربانی ریاضت اور خیرات بھی سہ گونہ ہے۔ اب اُن کی تفصیل سُن۔

۸۔ وہ غذائیں جو حیات، جوش، طاقت، مسرت و محبت کو بڑھاتی ہیں، اور رسیلی، مرغن، دیرپا، مقوی قلب ہیں وہ روشنی والے انسانوں کو پسند ہیں۔

۹۔ چنچل انسانوں کو ایسی غذائیں پسند ہیں جو چٹ پٹی، ترش، نمکین، بہت زیادہ گرم، تیز خشک اور جلنے والی ہیں اور

(سنسکرت میں نیم ترشی تکت ہے، اور مرچ کٹو۔

---

[1] مُردہ انسانوں کی خبیث رُوحیں۔

[2] غول بیابانی جنھیں بھوت بھی کہتے ہیں۔

جن سے رنج والم اور بیماریاں
پیدا ہوتی ہیں۔

۱۰۔ جو چیز باسی اُتری ہوئی، سڑی بسی، بیس خوردہ اور عقل کو کُند کرنے والی ہوتی ہے وہ تاریکی والوں کی مرغوب غذا ہے۔

۱۱۔ وہ قربانی جو اس طرح کی جائے کہ اُس کے ثمرہ کی خواہش نہ ہو جو قانون عرفان کے مطابق کی جائے اور اس مستحکم عقیدہ کے ساتھ کی جائے کہ قربانی کرنا ایک فریضہ ہے وہ قربانی روشن طبقوں کی قربانی ہے۔

۱۲۔ جو قربانی کسی ثمرہ کو مدِ نظر رکھ کر کی جائے اور جس کی غرض ذاتی نمود و شہرت ہو اسے بھارتوں کے برگزیدہ! جان لے کہ یہ قربانی حرکت (رج) کا نتیجہ ہے۔

۱۳۔ جو قربانی قانون عرفان کے خلاف کی جاتی ہے جس میں نہ تو خوراک تقسیم کی جاتی ہے نہ قوت کے الفاظ منتر (افسوں) پڑھے جاتے ہیں اور نہ پجاریوں کو نذر دی جاتی ہے اور جس میں اعتقاد کو دخل نہیں ہوتا۔ ایسی قربانی تاریکی کی قربانی ہے۔

۱۴۔ دیوتاؤں، دو جنموں[1] اُستادوں اور عارفوں کی پرستش اور پاکیزگی دیانت (تجرد یعنی قناعت کردن بریکے زن) اتقا اور بے ضرر ہونا (یا کسی کو ایذا نہ پہنچانا) یہ جسمانی ریاضت (تپ) کہلاتی ہے

۱۵۔ ایسا کلام جو کسی کو پریشان نہ کرے، سچا ہو، خوشی پہنچانے والا ہو، مفید ہو، دینی کتابوں کا مطالعہ ان کو تقریر کی زبانی ریاضت (تپ) کہتے ہیں۔

۱۶۔ ذہنی مسرت، توازن، خاموشی، ضبط نفس اور فطرت کی پاکیزگی، ان کو

---

[1] پہلا جنم اس دنیا میں پیدا ہونا اور دوسرا جنم خود اپنے نفس کو پہچاننا ہے۔

نفس (من) کی ریاضت کہتے ہیں۔

۱۷۔ جب انسان کامل ترین اعتقاد کے ساتھ ان تین قسم کی ریاضتوں کو کرتا ہے اور پھل کی خواہش نہیں کرتا اور متوازن رہتا ہے تو وہ انسان ساتوک ہے یعنی روشن طبع ہے۔

۱۸۔ وہ ریاضت جو ادب عزت و پرستش اور نام و نمود حاصل کرنے کے لئے کی جاتی ہے۔ اُس کو حرکت (چنچل پن) کا نتیجہ کہتے ہیں (راجس)

۱۹۔ وہ ریاضت جو گمراہی عقل کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ جس میں اپنی اذیت یا دوسروں کی تباہی پیش نظر ہوتی ہے اس ریاضت کو تاریکی سے نسبت ہے

۲۰۔ ایسے شخص کو خیرات دینا جس سے کسی بدلے کی توقع نہ ہو، اور اس بات پہ یقین رکھ کے کہ مقام و وقت کے لحاظ سے مناسب آدمی کو نذر دی گئی ہے اس قسم کا صدقہ و خیرات ساتوک دان کہلاتا ہے۔

۲۱۔ ایسی خیرات جو یہ سمجھ کر کی جائے کہ بدلہ میں کچھ ملے گا یا اُس کی جزا ملے گی، یا بے دلی سے دی جائے۔ یہ خیرات حرکت والی خیرات کہلاتی ہے۔

۲۲۔ وہ خیرات جو بے جا اور بے وقت ہو اور ایسے شخصوں کو دی جائے، جو غیر مستحق ہوں۔ اور خیرات کرنے کا طرز بھی گستاخانہ اور حقارت آمیز ہو، ایسی خیرات تاریکی کی خیرات ہے

۲۳۔ اوم، تت، ست، ان الفاظ سے ذاتِ ابدی (برہم) کا سہ گونہ اظہار کیا گیا ہے اور اسی سے زمانۂ قدیم میں عارفوں، کتب معرفت (ویدوں) اور قربانیوں کو بنایا گیا ہے۔

۲۴۔ لہٰذا قربانی، خیرات و ریاضت کے اعمال (جن کا حکم دینی کتب معرفت میں ہے) کی ابتدا برہم (اللہ) کے جاننے والے ہمیشہ کلمہ "اوم" کو پڑھ کر کرتے ہیں۔

۲۵- جو نجات کے طالب ہیں وہ قربانی، خیرات اور ریاضت کے مختلف اعمال کلمۂ "تت" کہہ کر شروع کرتے ہیں۔ اور ثمرۂ اعمال (جزا) پر نظر رکھتے ہیں۔

۲۶- کلمۂ "ست" کا استعمال حق اور سعادت کے معنوں میں ہوتا ہے اور اے پارتھا کلمۂ "ست" کے معنی نیک کام کے بھی ہیں۔

۲۷- قربانی، ریاضت اور خیرات میں استحکام کو بھی "ست" کہتے ہیں، اور وہ عمل جو ذات برتر کے لئے کیا جائے وہ بھی "ست" کہلاتا ہے۔

۲۸- اے پارتھا! ہر وہ فعل جو بے اعتقادی سے کیا جائے، خواہ وہ نذر ہو، صدقہ و خیرات ہو، قربانی ہو یا کوئی اور کام ہو اسے "آست" کہتے ہیں۔ نہ اس کا یہاں کوئی فائدہ ہے نہ آخرت میں۔

تا چند ملامت کنی اے زاہد خام
ما رند و خراباتی و مستیم مدام
تو در غم تسبیح و ریا و تلبیس
ما با مئی و مطرب بہیم و معشوقہ بکام
(خیام)

اوم، تت، ست

اس طرح ختم ہوتا ہے نغمۂ خداوندی کا سترھواں مکالمہ شردھا ترے وبھاگ یوگ یا تقسیم عقائد سہ گانہ کہتے ہیں اور جو سری کرشن اور ارجن کے مکالمہ کے سلسلہ میں علم معرفت الٰہی ہے۔

اٹھارھواں مکالمہ

موکش سنیاس یوگ یا نجات بذریعہ ترک ثمرۂ عمل

یہ مکالمہ گیتا کا خلاصہ یا جوہر ہے۔ اس میں ہر مذہب و عقیدوں کے پیروؤں کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ اگر وہ اپنے آپ کو خدا کے رحم پر چھوڑ دیں، خودی کو مٹا دیں اور خلوص سے عبادت کریں تو نجات یقینی ہے۔

بتخانہ و کعبہ خانۂ بندگی است — ناقوس زدن ترانۂ بندگی است
محراب و کلیسائی و تسبیح و نماز — حقا کہ ہمہ نشانۂ بندگی است (خیام)

ارجن نے کہا۔

۱۔ اے قوی بازو! اے ہری کیش! اکیشی زنشودن! میں علیحدہ علیحدہ ترک دنیا (سنیاس) اور تیاگ (ترک علائق) کا مفہوم سمجھنا چاہتا ہوں۔

مقدس خداوند نے فرمایا۔

۲۔ بزرگوں نے سنیاس کا مفہوم یہ سمجھا ہے کہ جتنے افعال خواہش سے متعلق ہیں اُنھیں ترک کر دیا جائے اور عقلمند ثمرۂ اعمال کے ترک کرنے کو تیاگ کہتے ہیں۔

۳۔ "عمل کو تیاگ دینا چاہیئے اس لئے کہ عمل برائیوں میں سے ہے"۔ یہ مقولہ دانایان علم سانکھ کا ہے اور دوسروں کا قول ہے کہ قربانی خیرات اور ریاضت کے اعمال

گفت پیغمبر بہ آواز بلند
با توکل زانوئے اُشتر ببند
رمز الکاسب حبیب اللہ شنو
از توکل در سبب غافل نشو (مثنوی)

کو نہ ترک کرنا چاہیئے۔

۴۔ تیاگ کے متعلق اے بھارتوں کے برگزیدہ میرا فیصلہ سُن۔ اے انسانوں کے شیر تیاگ کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

۵۔ قربانی، خیرات اور ریاضت کے اعمال کو نہ تیاگنا چاہیئے بلکہ یہ اعمال کرنا چاہیئے۔ ان اعمال سے عقلمند پاکیزہ ہوجاتے ہیں۔

۶۔ اے پارتھ! میرا بہترین اور یقینی ایمان ہے کہ ان اعمال کو بے تعلقی اور بے غرضی سے محض فرض سمجھ کر کرنا چاہیئے۔ (یعنی کسی ثمرہ کی غرض سے نہیں بلکہ خالصۃً للہ)

۷۔ جو اعمال فرض قرار دیے گئے ہیں۔ اُن کا ترک کرنا صحیح نہیں ہے۔ دھوکے میں مبتلا ہوکر جو انھیں ترک کرتا ہے وہ اہلِ ظلمت میں سے ہے

۸۔ وہ جو جسمانی تکلیف کے خوف سے کسی عمل کو ترک کردیتا ہے اور کہتا ہے کہ "یہ تکلیف دہ" ہے اور اس طرح اہل حرکت کا ترک عمل کرتا ہے۔ وہ تیاگ کا ثمرہ حاصل نہیں کرتا۔

۹۔ جو کوئی ایک مقررہ عمل کو کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ وہ محض فرض ادا کررہا ہے بے لوث ہوکر اور ثمرہ عمل کو تیاگ دیتا ہے تو یہ تیاگ روشن طبعوں کا خیال کیا جاتا ہے اے ارجن!

۱۰۔ روشنی میں قائم ہونے والا انسان، عقل کے ذریعہ شکوک منقطع کرکے۔ یہ تیاگنے والا۔ غیر سے۔ نہ کسی عمل سے نفرت (دشمنی) نہیں کرتا اور نہ مسرور کن عمل سے محبت کرتا ہے

۱۱۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مجسم ہستیاں مکمل طور پر عمل کو ترک کر ہی نہیں
تجھ پہ مٹے تو زندۂ جاوید ہوگئے
ہم کو بقا نصیب ہوئی ہر فنا کے بعد
(حسرت)

سکیتی، اور سچ تو یہ ہے کہ جو ثمرہ
عمل کو ترک، دیتا ہے وہی تیاگی
(تارک) ہے۔

۱۲۔ آخرت میں تیاگ نہ کرنے والے کے فعال کے لئے تین قسم کی جزا ہے اچھی
بری اور مخلوط، لیکن سنیاسی کے لئے کبھی کوئی جزا نہیں ہو۔

۱۳۔ اے قوی بازو! مجھ سے اُن پانچ اسباب کو معلوم کر لے جو نظام (سانکھیہ معرفت،
مطابق جملہ اعمال کی تکمیل کے لئے ضروری ہیں۔

۱۴۔ جسم، فاعل، مختلف اعضا، مختلف اقسام کی قوتیں اور پانچویں اثر نیکی و بدی

۱۵۔ جو عمل بھی انسان اپنے جسم، گویائی اور نفس (مَن) سے کرتا ہے۔ خواہ صحیح
ہو یا غلط، یہی پانچ علتیں (اسباب، اُس عمل کی ہوتی ہیں۔

۱۶۔ چونکہ واقعہ یہی ہے۔ اس لئے جو شخص صرف اپنے آپ کو فاعل سمجھتا ہے وہ
اپنی کج فہمی اور بے عقلی سے اصلی حالت کو نہیں دیکھتا۔

۱۷۔ جو اس خیال سے آزاد ہے کہ یہ کام میں نے کیا ہے جس کی عقل بے لوث
ہے۔ وہ اگر ان مخلوقوں کو قتل بھی کرے تو بھی وہ قاتل نہیں ہے نہ وہ ان
اعمال میں پھنستا ہے۔

۱۸۔ "علم" اشیائے علم اور" جاننے والی روح " یہ عمل تین محرک ہیں، آلہ عمل اور
عامل یہ فعل کے تین پورا کرنے والے ہیں

۱۹۔ علم، فعل اور عامل صفات کے اختلاف کے مطابق تین قسم کے کہے جاتے
ہیں اور مختلف صفات سے جس طرح پہچانے جاتے ہیں۔ اب ان کا حال سُن

۲۰۔ تو اس علم کو روشن طبع لوگوں (ساتوک) کا علم سمجھ جس سے ایک جوہر غیر فانی { پس باشد یقین کہ نیست و اللہ موجود حقیقی سوی اللہ } (رباعی)

جملہ ہستیوں میں نظر آتا ہے اور منقسم (کثرت) میں غیر منقسم (وحدت) دکھائی دیتا ہے۔

چشم بکشا کہ جلوہ دلدار متجلی است از در و دیوار
نحن اقرب الیہ دہ است دور افتادہ تو از بیدار
(عطار)

۲۱۔ لیکن وہ علم حرکت کا نتیجہ ہے جو جملہ مخلوقات میں گوناگوں ہستیوں کو الگ الگ دیکھتا ہے۔

۲۲۔ اور وہ علم تاریکی سے تعلق رکھتا ہے۔ جو بلا سبب، بغیر حقیقت کو جانے ہوئے تنگ نظری سے ایک جزو کو کل سمجھ کر چپٹا ہوا ہے۔

۲۳۔ لیکن وہ عمل جو ضروری ہے بے تعلق ہے جو بغیر خواہش یا نفرت کے کیا جاتا ہے اور ایسا شخص کرتا ہے جو اس میں کسی ثمرہ کی خواہش نہیں کرتا۔ ایسے عمل کو روشن طبعوں کا عمل کہتے ہیں۔

۲۴۔ لیکن وہ عمل جو ایسا شخص کرتا ہے جو خواہشات کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ اور جس میں خودی ہے یا اُس کا عمل کوشش بسیار کا نتیجہ ہے۔ تو اس عمل کو حرکت کا نتیجہ کہتے ہیں۔

۲۵۔ اور وہ عمل جو دھوکے سے کیا جائے اور جس میں اہلیت، نتائج اور دوسروں کے نفع نقصان کا خیال نہ ہو۔ وہ عمل تاریک ہے

۲۶۔ وہ فاعل روشن طبع ہے جو علائق سے آزاد، خودی سے بری اور استقامت و خود اعتمادی سے مزین ہو اور کامیابی اور ناکامی میں یکساں رہے۔

۲۷۔ وہ فاعل حرکت والا کہا جاتا ہے۔ جو مضطرب، جو اپنے اعمال کا خواہاں، طماع ضرر رساں، ناپاک اور شادی و غم سے اثر پذیر ہو۔

۲۸۔ اور وہ فاعل جو غیر متوجہ، اُجڈ، ضدی، فریبی، کینہ پرور، کاہل، پریشان اور سست ہو وہ تاریک کہا جاتا ہے

۲۹ اے دھننجے۔ اب تو الگ الگ بے روک ٹوک عقل اور استقامت کی تفصیل سُن، صفات کے مطابق وہ بھی سہ گانہ ہے۔

۳۰۔ اے پارتھ! وہ عقل، روشن طبعوں کی ہے جو شغل و عدم فعل، کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہ کرنا چاہیئے، خوف اور بے خوفی اور قید و نجات کو جانتی ہے۔

۳۱۔ اے پرتھا کے بیٹے! وہ عقل جس سے انسان نیک و بد میں تمیز کرتا ہے۔ جو بتاتی ہے کہ کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہ کرنا چاہیئے لیکن غیر مکمل طور پر وہ عقل، "حرکت" سے تعلق رکھتی ہے۔

۳۲۔ وہ عقل، اے پارتھ! تاریکی سے تعلق رکھتی ہے جو تاریکی میں گھر کے اَدھرم کو دھرم سمجھتی ہے اور ہر چیز کو اُلٹا سمجھتی ہے۔

۳۳۔ وہ مستحکم تحمل جس سے یوگ کے ذریعہ سے نفس، انفاس حیات اور اعضائے حواس کی قوت کو قابو میں رکھا جاتا ہے وہ استقامت اے پارتھ! روشنی والوں کی ہے۔

۳۴۔ لیکن اے ارجن! وہ استقامت جس سے جزا کی محبت وجہ سے دھرم خواہش اور دولت کو مضبوطی سے پکڑا جاتا ہے وہ تحمل "حرکت"

۳۵۔ وہ استقامت تحمل تاریکی سے تعلق رکھتی ہے اے پارتھ جس کی وجہ سے حماقت سے نیند۔ ڈر، رنج، مایوسی اور غرور کو ترک نہیں کیا جاتا۔

۳۶۔ اب اے بھارتوں کے سردار! خوشی کی تین قسمیں مجھ سے سُن، وہ مسرت جس میں انسان کو لطف آتا ہے اور جو غم و الم کا خاتمہ کر دیتی ہے۔

۳۷۔ جو ابتدا میں زہر ہے اور آخر میں تریاق، وہ مسرت اہلِ سکون کی ہے اور روح کی فراغ آمیز معرفت کا نتیجہ ہے۔

۳۸۔ وہ لذت جو ابتدا میں حواس اور محسوسات کے ملنے کی وجہ سے امرت

(تریاق) معلوم ہوتی ہے۔ لیکن انجام میں زہر ہو جاتی ہے۔ اُس لذت کو حرکت والی خوشی کہتے ہیں۔

۳۹۔ لیکن وہ لذت جو ابتدا اور انتہا دونوں حالتوں میں نفس کو دھوکا دیتی ہے اور نیند اور سستی اور غفلت کا نتیجہ ہے۔ وہ تاریک ہے

۴۰۔ نہ دنیا میں کوئی ہستی ہے، نہ آسمان پر کوئی دیوتا جو ان تین صفات سے جو مادّے سے پیدا ہوتی ہیں آزاد ہو۔ (عاری دمبرا ہو)

۴۱۔ اے پرنتپ! برہمن، چھتری، ویش اور شودروں کے فرائض مقرر کئے گئے ہیں اُن صفات کے مطابق جو اُن کی فطرتوں سے پیدا ہوتے ہیں

۴۲۔ اسلام و تسلیم، ضبط نفس، زہد، پاکیزگی، عفو، دیانتداری، معرفت، علم، خدا پر ایمان یہ وہ برہمن کے کرم (فرض) ہیں جو اس کی فطرت سے پیدا ہوئے ہیں۔

۴۳۔ بہادری، شوکت، استقامت، پھرتی، جنگ سے فرار نہ ہونا، فیاضی اور حکومت چھتری کرم ہے جو اُس کی فطرت کا تقاضا ہے۔

۴۴۔ زراعت، مویشی کی حفاظت۔ تجارت ویش کرم ہے جو اُس کی فطرت کا تقاضا ہے اور وہ عمل جو خدمت کی قسم سے ہے۔ شودر کا عمل ہے اور اس کی فطرت کا تقاضا ہے۔

۴۵۔ ہر شخص اپنی ہی فطرت کے مطابق اعمال میں مصروف ہو کر کمال کو حاصل کر سکتا ہے اب سُن کہ وہ کس طرح کمال حاصل کرتا ہے جو اپنے اعمال میں مصروف ہے

۴۶۔ "وہ ذات" جس سے جملہ ہستیاں پیدا ہوئی ہیں جو ہر جگہ موجود ہے صرف اُس ذات کو اپنے کرم میں پرستش کر کے انسان کمال (حاصل)	ہمہ یک قطرہ است ایں دریا ہمہ یک دانہ است ایں خروار کافر و گبر و ملحد و منکر متقی و شقی و بدکردار

حاصل کرتا ہے۔

ایں ہمہ ذات پاک یزداں است	
می کند جلوہ ہا بریں اطوار	(عطار)

۴۷۔ اپنا[1] دھرم (فرض) ادھورا بہتر ہے (خواہ وہ خوبیوں سے خالی ہو) بہ نسبت دوسرے کے دھرم کے جو خوبی سے انجام دیا گیا ہو، جو شخص اس کرم کو انجام دیتا ہے جو اس کی فطرت کا تقاضا ہے وہ باوجود یکہ عمل کرتا ہے لیکن کوئی گناہ نہیں کرتا

۴۸۔ کسی شخص کو اپنا فطری کام نہ چھوڑنا چاہیئے خواہ وہ ناقص ہی کیوں نہ ہو۔ اے کنتی کے بیٹے! اس لئے کہ ہر کام نقص سے گھرا ہوا ہے، جیسے آگ دھوئیں سے

۴۹۔ جس کی عقل ہر جگہ بے تعلق ہے۔ نفس قابو میں ہے۔ خواہشات سے پاک ہے وہ سنیاس کے ذریعہ سے فراغت کاملہ یعنی کرموں سے نجات حاصل کرتا ہے۔

۵۰۔ اے کنتی کے بیٹے! مختصراً مجھ سے سیکھ لے کہ کس طرح کمال حاصل کرنے کے بعد برہم کا وصال ہو سکتا ہے جو معرفت کا بلند ترین مقام ہے۔

۵۱۔ عقل سلیم سے معمور ہو کے۔ تحمل سے ضبط نفس کرتے ہوئے۔ آواز اور دوسری اشیائے حواس کو ترک کر کے اور محبت اور نفرت کو چھوڑ کے۔

۵۲۔ گوشہ گزیں ہو کر، کم خوری سے، کلام، جسم اور نفس (دل) ان کو زیر کر کے مراقبہ اور یوگ میں مسلسل قائم ہوتے ہوئے فقر میں پناہ لے کر۔

۵۳۔ خودی، تشدد، غرور، شہوت، غضب اور طمع کو ترک کر کے

من خدایم من خدایم من خدا	
فارغم از کبر و کینہ و ز ہوا	(عطار)

---

[1] یعنی وہ فرائض اپنی فطرت کے تقاضے سے پیدا ہوتے ہیں۔

بے نفسی اور سلامت روی سے
(جو شخص زندگی بسر کرتا ہے) وہ
اس قابل ہے کہ "ذات ابدی"
سے واصل ہو جائے۔

۵۴۔ ذات ابدی ہو کر روحانی سنجیدگی کے ساتھ نہ وہ رنج کرتا ہے نہ خواہش۔ جو جملہ مخلوقات کو ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے وہ میری مکمل بھگتی حاصل کرتا ہے۔

۵۵۔ بھگتی سے وہ میرے جوہر کا علم حاصل کرتا ہے۔ کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں اس طرح وہ میرے جوہر کو جان کے فوراً اُس ذاتِ برتر میں فنا ہو جاتا ہے۔

۵۶۔ گو وہ تمام اعمال مسلسل کرتا رہے لیکن میری ذات میں پناہ لے کر وہ میری رحمت سے ابدی اور غیر فانی مقام حاصل کر لیتا ہے۔

۵۷۔ ذہنی طور پر مجھ پر توکل کر کے۔ مجھ پر خیال جما کے بدھی یوگ کی طرف رجوع ہو کر اپنے خیال کو ہمیشہ مجھ پر قائم رکھ۔

۵۸۔ جب تو میرا دھیان کرے گا تو
میرے کرم سے تمام مشکلوں پر
فتح پائے گا لیکن اگر تو تکبر اور
خودی سے نہ سُنے گا، تو تجھے
پشیمانی ہو گی۔

ازل سے ابد تک جو کثرت ہے پیدا
سو وحدت کا دریا رواں دیکھتا ہوں
نہ جس طرح حق پرستی ہوں کرتا
مگر خود پرستی زیاں دیکھتا ہوں

۵۹۔ خودی میں پھنس کر تو یہ سمجھتا ہے کہ میں نہ لڑوں گا، یہ خیال خام ہے فطرت خود تجھے (لڑنے پر) مجبور کرے گی۔

۶۰۔ اے کنتی کے بیٹے! اپنے کرم (فرض) سے مجبور ہو کر جو تیری فطرت کا تقاضا ہے

جو چیز تو دھوکے سے نہیں کرنا چاہتا، وہ تو مجبوراً انجام دے گا۔

۶۱- اے ارجن! جملہ ہستیوں کے دلوں میں خدا رہتا ہے۔ اور وہ اپنی قدرتی قوت (مایا) سے تمام مخلوق کو اس طرح گھماتا ہے کہ گویا وہ کمہار کے چاک پر چڑھی ہوئی ہے۔

باغ جہاں کے گل ہیں یا خار ہیں تو ہم ہیں
گر یار ہیں تو ہم ہیں اغیار ہیں تو ہم ہیں
دریائے معرفت کے دیکھا تو ہم ہیں ساحل
گر وار ہیں تو ہم ہیں اور پار ہیں تو ہم ہیں
(درد)

۶۲- اے بھارت! اپنی پوری ہستی سے اُس ذات کی طرف دوڑ کر پناہ لے۔ اُس کی رحمت سے تجھے فراغت کاملہ حاصل ہو گی جو دائمی جائے قیام ہے۔

۶۳- اس طرح میں نے اُس حکمت کو جو راز سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے تجھ پر ظاہر کیا ہے۔ اس پر پورے طور پر غور و خوض کر کے جس طرح خواہش ہو عمل کر۔

۶۴- میرے کلام عالی کو پھر سُن جو سب سے زیادہ پُراسرار ہے، تو میرا محبوب ہے اور تیرا دل مستحکم ہے۔ لہذا میں تیرے فائدے کے لئے کلام کرتا ہوں

۶۵- اپنے نفس کو میری ذات میں ملا دے میرا بھگت ہو جا۔ میرے ہی لئے قربانی کر، میرا سجدہ کر۔ تو میرے پاس آ جائے گا۔ تو میرا محبوب ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں

۶۶- جملہ دھرموں کو ترک کر کے صرف میرے پاس پناہ لے، غم نہ کر، میں تجھے کل گناہوں سے نجات دوں گا۔

۶۷- ہرگز ان اسرار کو ایسے شخص پر ظاہر نہ کرنا، جو درویش نہ ہو، یا بھگتی سے خالی ہو، نہ ایسے شخص سے کہنا، جو سننے کی آرزو نہ رکھتا ہو

سرمد غم عشق بوالہوس را ندہند
سوز دل پروانہ مگس را ندہند
عمرے باید کہ یار آید بکنار
ایں دولت سرمد ہمہ کس را ندہند
(سرمد)

اور اُسے بھی نہ بتاتا جو مجھ میں
نقص نکالتا ہو۔

۶۸۔ جو شخص میرے پرستاروں میں اس سرِ اکبر کو بیان کرے گا اور میرے لئے اس بلند ترین بھگتی کو ظاہر کرے گا۔ وہ میرے پاس آئے گا اس میں ذرا شک نہیں

۶۹۔ نہ اُس سے زیادہ کوئی شخص میری محبوب خدمت کرے گا نہ اُس سے زیادہ کوئی شخص اس دنیا میں، میرا محبوب ہے نہ ہوگا۔

۷۰۔ اور جو ہمارے اس مقدس مکالمہ کا مطالعہ کرے گا وہ عرفانی قربانی سے میری پرستش کرے گا، یہ میرا یقینی قول ہے۔

۷۱۔ وہ شخص جو ایمان سے معمور ہوکر بغیر عیب جوئی کئے ہوئے۔ اس کو صرف سُن لیتا ہے وہ بھی بدی سے نجات پاکر راستبازوں کی نورانی دنیا حاصل کرتا ہے

۷۲۔ اے پرتھا کے بیٹے! کیا تو نے اُسے یکسوئی کے ساتھ سُنا ہے۔ اے دھننجے گیا تیرا دھوکا جو بے عقلی کی وجہ سے تھا فنا ہو گیا۔

ارجن نے کہا:۔

۷۳۔ اے ہستیٔ معصوم! میرا دھوکا مٹ گیا اور تیری رحمت وعنایت سے مجھے معرفت حاصل ہوگئی میں مستحکم ہوں۔ میرے شکوک رفع ہوگئے اور میں تیرے احکام کی تعمیل کروں گا۔

بے حجابانہ درآ از درِ کاشانۂ ما
کہ کسے نیست بجز دردِ تو در خانۂ ما
(حضرت غوث الاعظم)

سنجے نے کہا:۔

۷۴۔ میں نے واسودیو (کرشن) اور عالی نفس پارتھ کا یہ عجیب وغریب مکالمہ سُنا تو

میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

۷۵۔ ویاس کی عنایت سے میں نے اس خفیہ اور متبرک یوگ کو یوگ کے مالک، یعنی خود کرشن سے سُنا، جو میری آنکھوں کے سامنے بول رہے تھے۔

۷۶۔ اے راجہ میں اس عجیب و غریب مکالمہ کو جو کیشو اور ارجن کے درمیان ہوا تھا یاد کر کے بار بار خوش ہوتا ہوں۔

۷۷۔ اور اے راجہ ہری کی اُس نہایت ہی عجیب و غریب صورت کو یاد کر کے مجھے بڑی حیرت ہوتی ہے اور میں بار بار خوش ہوتا ہوں۔

۷۸۔ جہاں کہیں یوگ کا مالک کرشن ہے
اور جہاں کہیں پارتھ تیر انداز ہے
وہاں یقیناً خوشحالی فتحمندی اور
مسرت ہے یہ میرا عقیدہ ہے۔

غلام نرگس مست تو تاجدار انند
خراب بادۂ لعل تو ہوشیار انند
تو دستگیر شو اے خضر پے خجستہ کہ من
پیادہ میروم و ہمرہاں سوار انند (حافظ)

اوم۔ تت۔ ست

اس طرح ختم ہوتا ہے نعمہ خدا وندی کا اٹھارواں مکالمہ موکش سنیاس یوگ یا نجات بذریعہ ترک ثمرۂ عمل جو ہری کرشن اور ارجن کے مکالمہ کے سلسلہ میں علم معرفت الٰہی ہے۔

اوم، سانتی، شانتی
حق سلامتی و فراغت

بے لب و بے حرف میگو نام رب — پس ز جاں کن وصل جاناں را طلب
خویشتن عریاں کن از جملہ فضول — ترک خود کن تا کند رحمت نزول
خویشتن را صاف کن زاوصاف خود — تا بہ بینی ذات پاک صاف خود (رومی)

تمام شد

انجمن کی نئی مطبوعات

ایام (حصہ اول و دوم)

مصنف ڈاکٹر طہٰ حسین

مترجمہ۔ حکیم سید عبدالباقی شطاری

یہ جدید مصر کے مشہور مصنف کی خود نوشت سوانح عمری ہے جس میں تجربات، احساسات اور کیفیات کی ایک جنت آباد ہے۔ صفحات ۳۵۲ قیمت ۴ روپے کتابت و طباعت عمدہ۔

اردو غزل (تیسرا ایڈیشن)

مصنف۔ ڈاکٹر یوسف حسین خاں

اردو غزل کی خصوصیات کا مفصل جائزہ اور جامع انتخاب غزلیات جدید غزل گویوں کے کلام کے اضافے کے ساتھ

تعداد صفحات ۲۳۶ قیمت ۹ روپے کتابت و طباعت عمدہ

غزل اور درس غزل

مصنف۔ اختر انصاری

غزل کی تدریس و تعلیم کے موضوع پر پہلی کتاب جسمیں غزل کا تعلیمی نقطۂ نظر سے جائزہ لیا گیا ہے اور شعر و ادب کے معلموں کے لئے غزل کو پڑھانے کے وہ سائنٹفک اصول اور طریقۂ کار بیان کئے گئے ہیں جن سے طلبہ میں ابتدا ہی سے صحیح شعری ذوق پیدا کیا جا سکے۔

تعداد صفحات ۱۲۵ قیمت ۲ روپے کتابت و طباعت عمدہ